جناب بنوری صاحب کے رسالہ

"ربوہ سے تل ابیب تک"

پر

مختصر تبصرہ

از قلم

محترم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب

شائع کردہ

مکتبہ الفرقان۔ ربوہ

پیش لفظ

جماعت احمدیہ ایک تبلیغی جماعت ہے جو دنیا بھر میں اسلام کی اشاعت کی علمبردار ہے۔ اس کے مخالف اس کے خلاف نہایت غلط الزامات لگاتے ہیں۔ ان الزاموں میں سے ایک یہ ہے کہ اس جماعت کا حکومت اسرائیل سے گٹھ جوڑ ہے۔ اس سلسلہ میں جناب مولوی محمد یوسف صاحب بنوری نے ایک سرتاپا غلط رسالہ شائع کیا۔ حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سلمہ ربہ نے اس کا نہایت دلچسپ، جامع اور مسکت جواب دیا ہے جو ماہنامہ الفرقان مارچ اپریل ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا ہے۔ اب یہ قیمتی رسالہ آپ کے سامنے ہے۔

خاکسار

ابو العطاء جالندھری

ربوہ

[illegible] ماہ جون ۷۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"ربوہ سے تل ابیب تک" پر مختصر تبصرہ

حال ہی میں ایک رسالہ بارشاد مولانا سید محمد یوسف بنوری "**ربوہ سے تل ابیب تک**" کے سنسنی خیز عنوان کے تحت شائع ہوا ہے۔ اس عجیب وغریب عنوان نے خاکسار کی توجہ بھی اپنی طرف کھینچی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ احمدیت کے خلاف کس قسم کی "نئی کہانی" کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے، خاکسار نے اس کا مطالعہ کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے تمام احباب کو جو مولانا کی شخصیت میں دلچسپی رکھتے ہوں اور ان کے تبحرِ علمی، استعدادِ ذہنی، طرزِ فکر، وسعتِ قلبی، قوتِ استدراک اور راست گوئی کو قریب کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہوں۔ ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ "مولانا" کی یہ تمام "صلاحیتیں" اس رسالہ میں پورے جوبن پر دکھائی دیتی ہیں۔ کسی نہایت گھٹیا جاسوسی ناول میں جو خصوصیات پائی جا سکتی ہیں، وہ بدرجۂ اتم اس رسالہ میں جمع ہیں اور ایسی ذہنی سطح کے لوگ جو گھٹیا جاسوسی ناول پڑھنے کا دماغ رکھتے ہوں، ان کے لئے یہ رسالہ بہت سی دلچسپی کے سامان فراہم کر سکتا ہے۔

صیہونیت اور قادیانیت میں وجوہِ مماثلت

اس رسالہ کا آغاز اسی ڈرامائی انکشاف کے ساتھ کیا گیا ہے۔"صیہونیت اور قادیانیت میں وجوہِ مماثلت": غالباً قادیانیت سے"مولانا" کی مراد احمدیت ہے اور مولانا احمدیت کو قادیانیت لکھتے وقت اس ارشادِ خداوندی سے یا تو ناواقف تھے کہ:۔"وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ"

ترجمہ :"ایک دوسرے کو (چڑانے کی خاطر) غلط ناموں سے نہ پکارا کرو۔"

یا پھر عمداً اس ارشاد کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتے (بہر حال یہ ان کا ذاتی فیصلہ ہے)

پہلی تین **وجوہِ مماثلت** جن کو مولانا بنیادی تصوّر فرماتے ہیں۔حرفِ اقبال صفحہ ۱۲۳ سے اخذ کی گئیں ہیں۔علی الترتیب ان کا ذکر اور تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :۔

۱۔"حاسد خدا کا تصوّر کہ جس کے پاس دشمنوں کے لئے لاتعداد
زلزلے اور بیماریاں ہوں۔"

اس سے معترض کی مراد یہ ہے کہ جس طرح بائبل میں اسرائیلی انبیاءؑ کے دشمنوں کی ہلاکت اور تباہی کی خبریں دی گئی اور ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا ہے جو اس کے بھیجے ہوئے برگزیدہ بندوں کے دشمنوں کا دشمن ہے اور ان کی ہلاکت کے لئے لاتعداد زلزلوں اور بیماریوں کی خبریں دیتا ہے۔اسی طرح حضرت مرزا صاحب (مسیح موعود علیہ السلام) نے بھی اپنے منکرین (اور اسلام کے دشمنوں) کے سامنے ایک ایسے ہی خدا کا تصور پیش کیا جو معترض کے الفاظ میں نعوذ باللہ"حاسد" ہے۔اور اپنے مرسلین کے دشمنوں کو زلزلوں اور بیماریوں کا وعید دیتا ہے۔

تجزیہ : اس"وجہ مماثلت" پر ادنیٰ سا تدبر کرنے سے بھی یہ سوال بڑی بڑی شدّت سے ذہن میں اُٹھتا ہے کہ معترض کا اپنا مذہب اور مسلک کیا ہے اور

الف : کیا وہ بائبل کو الہامی کتاب سمجھتا ہے یا نہیں ؟

ب : انبیاء بنی اسرائیل کو برحق تسلیم کرتا ہے یا نہیں ؟

ج : کیا اس کے نزدیک بائبل کا خدا اَور ہے اور قرآن کریم کا خدا اَور؟

د : اگر وہ بائبل کو الہامی کتاب سمجھتا ہے، انبیائے بنی اسرائیل کو برحق سمجھتا ہے اور بائبل کے خدا کو اور قرآن کے خدا کو ایک ہی سمجھتا ہے تو کیا اس اعتراض کی بناء یہ ہے کہ وہ بائبل کے بیان کردہ ان تمام واقعات کو محرّف و مبدّل سمجھتا ہے جن میں انبیائے بنی اسرائیل کے دشمنوں کی ہلاکت کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح یکے بعد دیگرے رسولوں کے منکرین کو مختلف بیماریوں، زلزلوں یا دیگر آفاتِ سماوی نے آپکڑا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے ؟

پس کیا معترض یہ سمجھ کر کہ بائبل کے یہ قصّے فرضی ہیں اور جھوٹے انسانوں نے اپنی طرف سے بائبل میں داخل کر دیئے ہیں، از راہِ تمسخر بائبل کے پیش کردہ اس خدا کو"حاسد" قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک اسی قسم کا"حاسد" خدا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے لہٰذا احمدیت اور یہودیت اس پہلو سے مشابہ ہیں ۔؟

ہ : اس مفروضہ پر بنا کرتے ہوئے کہ بائبل کے پیش کردہ قصّے جھوٹے ہیں، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن کریم ان قصّوں کی تردید کرتا اور واضح طور پر جھٹلاتا ہے اور کسی ایسے خدا کا تصوّر پیش نہیں کرتا جو

اس کے رسُولوں کے منکرین اور ان پر ظلم کرنے والوں کو کسی بیماری یا زلزلہ سے ہلاک کرے۔ پس اس "حاسد خدا" کے تصوّر میں صرف بگڑی ہُوئی یہودیت اور احمدیت مشترک ہیں اور قرآن کریم نے ایسے "حاسد خدا" کا تصور پیش نہیں کیا۔

ان سوالات کی روشنی میں اگر آپ ایک دفعہ پھر زیرِ بحث اعتراض کا جائزہ لیں تو اس کی لغویت اور بودہ پن خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتے ہیں کہ معترض کا اپنا مذہب کیا ہے؟ اگر وہ مسلمان ہے تو کیا اسے کبھی قرآن با ترجمہ پڑھنے اور اس کے مطالب پر ادنیٰ سا غور کرنے کی توفیق بھی نہیں ملی؟ اگر وہ قرآن با ترجمہ پڑھا ہُوا ہے تو آخر کیوں اسے یہ خبر نہیں ہو سکی کہ قرآن کریم بائیبل کے بیان کردہ ان واقعات کی کھلی تائید کرتا ہے۔ جن میں منکرینِ خدا اور منکرین رُسل کی ہلاکت کی خبریں دی گئی ہیں۔ کیا اسے علم نہیں کہ خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منکرین پر کس طرح پے در پے آسمانی آفات نازل ہوئیں اور کس طرح عجیب وغریب بیماریوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے منکرین کو انکار اور ظلم کی سزا دی۔

کیا وہ نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم پر کیا گزری؟ کیا وہ قوم ہودؑ کے انجام سے بے خبر ہے؟ اور اصحاب الایکہ کی ہلاکت کا کوئی ذکر اس نے قرآن میں نہیں پڑھا؟ کیا حضرت لوطؑ کے منکرین کے عبرتناک انجام کی اطلاع بھی اسے نہیں پہنچی اور نہیں جانتا کہ کس طرح انکار کرنے والوں کی بستیاں ہولناک زلازل کے ذریعہ تہہ و بالا کر دی گئیں اور بڑی بڑی طاقتور قومیں زیرِ زمیں دفن کر دی گئیں اور آج تک قدیم تجارتی شاہراہوں پر اُن

کے مدفن اہلِ بصیرت کے لئے عبرت کا سامان رکھتے ہیں؟

اگر معترض یہ سب کچھ پڑھنے کے باوجود بھول چکا ہو تو بطور یاددہانی حسبِ ذیل آیات مع ترجمہ پیش ہیں۔ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں، بائیبل کی نہیں یہ وہ حقائق ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر الہام کئے گئے۔ یہ خدا کا وہ تصور ہے جو اصدق الصادقین حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ ملاحظہ ہو:-

"وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ" (الاعراف آیت ۱۳۱)

اور ہم نے آلِ فرعون کو (مصیبت والے) سالوں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی (اور اولادوں کے مرجانے) سے پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ۔ (الاعراف آیت ۱۳۴)

تب ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا (یہ) الگ الگ نشان (تھے) تب بھی انہوں نے تکبّر کیا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ (ھود آیت ۳۸)

اے نوحؑ! تو ہماری آنکھوں (کے سامنے) اور ہماری
وحی کے مطابق کشتی بنا اور جن لوگوں نے ظلم (کا شیوہ
اختیار) کیا ہے۔ ان کے متعلق مجھ سے (کوئی) بات
نہ کر وہ ضرور (ہی) غرق کئے جائیں گے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ
وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۔ (ہود - آیت ۴۰)

پھر جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ) وہ کون (سا فریق)
ہے۔ جس پر ایسا عذاب آ رہا ہے جو اُسے رسوا کر دے
گا اور جس پر مستقبل عذاب نازل ہو رہا ہے۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ
وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ
ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (ہود آیت ۴۹)

(اس پر اُسے) کہا گیا (کہ) اے نوحؑ! تو ہماری طرف
سے (عطا شدہ) سلامتی اور (طرح طرح کی) برکات کے
ساتھ جو تجھ پر اور اُن اُمتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں
(نازل کی گئی ہیں) سفر کر۔ اور بعض جماعتیں۔ ایسی بھی
ہیں جنہیں ہم ضرور (دنیا کا عارضی سامان عطا کریں گے
(مگر) پھر ان پر ہماری طرف سے دردناک عذاب آئے گا

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا
عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝
(ہود - آیت ۸۳-۸۴)

پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اس (حضرت لوطؑ کی بستی)
کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا (حصہ بنا دیا۔ اور اس
پر سوکھی مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی یکے بعد دیگرے
بارش برسائی جو تیرے رب کی تقدیر میں (ان کے لئے
ہی مقدر (اور نامزد) کئے ہوئے تھے اور ان ظالموں
سے (ہی) یہ عذاب دُور نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا
الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ
لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
ثَمُوْدُ ۝ (ہود: ۹۵-۹۶)

اور جب ہمارا حکم (عذاب کے متعلق) آ گیا۔ تو ہم نے شعیب کو اور
ان (لوگوں) کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔ اپنی (خاص)
رحمت سے (اس عذاب سے) بچا لیا۔ اور جنہوں نے ظلم (کا شیوہ
اختیار) کیا تھا۔ انہیں اس عذاب نے پکڑ لیا۔ اور وہ (اپنے) گھروں
میں زمین سے چمٹے ہوئے تباہ ہو گئے۔ گویا وہ ان میں (کبھی) رہے

ہی نہ تھے۔ شہر مدین کے لئے بھی (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی جیسا کہ ثمود کے لئے (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ

(ابراھیم : ۱۶-۱۷)

اور انہوں نے اپنی فتح کے لئے دعا کی اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ایک سرکش (اور) حق کا دشمن ناکام رہا۔ اس (دنیوی عذاب کے بعد (اس کے لئے) جہنم (کا عذاب بھی مقدر) ہے اور (وہاں) اسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝

(ابراھیم : ۱۸)

وہ اُسے تھوڑا تھوڑا کر کے پئے گا اور اسے آسانی سے نگل نہیں سکے گا اور ہر جگہ (اور ہر طرف سے) اس پر موت آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے علاوہ بھی (اس کے لئے) ایک سخت عذاب (مقرر) ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قفلا (الحجر: ۴۴)

اور یقیناً جہنم ان سب کے لئے وعدہ کی جگہ ہے۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ (الحجر: ۵۱)

اور (یہ) کہ میرا عذاب ہی (حقیقۃً) دردناک عذاب (ہوتا) ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝ (الحجر: ۷۴)

اس پر اس (موعود) عذاب نے انہیں (یعنی لوط کی قوم کو) دن چڑھتے (ہی) پکڑ لیا

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ (الحجر: ۷۵)

جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں (سے بنے ہوئے پتھروں) کی بارش برسائی

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ۝ (الحجر: ۷۶)

اس (ذکر) میں فراست سے کام لینے والوں کے لئے یقیناً کئی نشان ہیں

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر: ۷۹-۸۰)

ایکہ والے بھی یقیناً ظالم تھے ــــ اس لئے ہم نے انہیں بھی (اسی طرح سخت) سزا دی تھی اور یہ دونوں جگہیں ایک (صاف اور) واضح راستے پر (واقع) ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ

اِلٰهٍ غَيْرِىْ ۚ فَاَوْقِدْ لِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا لَّعَلِّىْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ
وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ
وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا
اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ○ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ○ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ (القصص: ۳۹-۴۰)

اور فرعون نے کہا۔ اے دربار والو! مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی
معبود معلوم نہیں۔ پس اے ہامان! میرے لئے گیلی مٹی پر آگ
جلا (یعنی اینٹیں بنوا) پھر میرے لئے ایک قلعہ تیار کر شاید اس
پر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو معلوم کروں۔ اور میں تو اس کو
جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں اور اس نے بھی اور اس کے لشکروں
نے بھی ملک میں بغیر کسی حق کے تکبّر سے کام لیا اور خیال کیا
کہ وہ ہماری طرف لوٹا کر نہیں لائے جائیں گے۔ پس ہم نے اس
کو بھی اور اس کے لشکروں کو بھی پکڑ لیا اور ان کو سمندر میں
پھینک دیا۔ پس دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور ہم نے
فرعونیوں کو سردار بنایا تھا جو (اپنی سرداری کے غرور میں) لوگوں
کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی

کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۚ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ
فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ○ (القصص: ۸۲)

پھر ہم نے اس کو اور اس کے قبیلہ کو زمین میں دھنسا دیا اور
کوئی جماعت ایسی نہ نکلی جو اللہ کے سوا اس کی مدد کرتی
اور کسی تدبیر سے بھی وہ (اپنے دشمن سے) بچ نہ سکا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ
عَنْهَا ۭ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۧ
(السجدہ: ۲۳)

اور جس کو اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر بھی وہ
اُن سے اعراض کرے اُس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے ہم
یقیناً مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ○ (الدخان: ۱۷)

جس دن ہم بڑی گرفت میں تم کو لے آئیں گے (تم پر کھل جائے
گا کہ) ہم انتقام لینے پر قادر ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ
مُلِيْمٌ ○ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ
الْعَقِيْمَ ○ مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا

جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ○ وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ
تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ○ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ
فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ○ فَمَا
اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ○ (الذاریات ۴۱-۴۶)

اس پر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو (اپنے قہر سے) پکڑ لیا اور ان سب کو سمندر میں پھینک دیا اور (آج تک) اس پر ملامت ہو رہی ہے۔ اور عاد کے واقعہ میں بھی (ہم نے بہت سے نشان چھوڑے ہیں۔ اس وقت) جبکہ ہم نے ان پر ایک سخت آندھی چلائی تھی۔ اور جس پر وہ چلتی تھی اس کو (تباہ کر دیتی تھی اور اسے) گلی ہوئی ہڈیوں کی طرح کر دیتی تھی۔ اور ثمود میں بھی (ہم نے نشان چھوڑا) جب ان سے کہا گیا کہ ایک عرصہ تک فائدہ اٹھاؤ۔ اور انہوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور ان کو ایک عذاب نے آپکڑا اور وہ دیکھتے کے دیکھتے رہے اور نہ تو بچنے کے لئے کھڑے ہو سکے اور نہ وہ کسی کی مدد حاصل کر سکے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا
فٰسِقِيْنَ ○ (الذاریات : ۴۷)

اور ان سے پہلے نوحؑ کی قوم کو بھی (ہم ہلاک کر چکے تھے) وہ اطاعت سے نکلنے والی قوم تھی۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ
يُوْعَدُوْنَ ○ (الذاریات : ۶۱)

اور جنہوں نے کفر کیا ہے ان کے لئے اس دن جس کا وعدہ ان سے کیا جاتا ہے، ہلاکت نازل ہونے والی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ
نُّكُرٍ ○ (القمر : ۷)

پس تو اُن سے منہ پھیر لے اور اس وقت کا انتظار کر کہ پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز (یعنی عذاب) کی طرف اُن کو پکارے گا

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ
كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ○ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ط
يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○ (القمر : ۸-۹)

ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی وہ قبروں سے نکلیں گے اس طرح کہ گویا پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف بھاگے جا رہے ہوں گے اور کافر یہ بھی کہتے جائیں گے کہ یہ تو بڑی تکلیف کا دن ہے۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ○ وَّفَجَّرْنَا
الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○

(القمر : ۱۲-۱۳)

جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے
پانی کے ذریعہ سے کھول دیئے اور زمین میں بھی ہم نے چشمے
پھوڑ دیئے۔ پس (آسمان کا) پانی (زمین کے پانی کے ساتھ)
ایک ایسی بات کیلئے اکٹھا ہو گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ
كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ (القمر: ۱۶-۱۷)

اور ہم نے اس واقعہ کو ایک نشان کے طور پر (پچھلی اقوام کے
لئے) چھوڑا۔ کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اور دیکھو!
میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا (سخت اور درست) تھا۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ
نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ
نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ (القمر ۱۹:۲۲)

عاد نے بھی (اپنے رسول کا) انکار کیا تھا۔ پھر دیکھو میرا عذاب
اور میرا ڈرانا کیسا تھا (یعنی عذاب کیسا سخت تھا اور ڈرانا کیسا
سچا تھا) ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی
اور دیر تک اپنے منحوس وقت میں چلائی گئی تھی۔ وہ
لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی۔ گویا وہ کھجور کے ایسے تنے
ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا۔ پس دیکھو کہ میرا عذاب

(کیسا سخت) اور میرا ڈرانا کیسا (سچا) تھا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ (القمر: ۳۱)

پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ (یعنی میرا عذاب کیسا
سخت تھا اور میرا ڈرانا کیسا سچا تھا)۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝ (القمر: ۳۴)

لوطؑ کی قوم نے بھی نبیوں کو جھٹلا دیا تھا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ
بِسَحَرٍ ۝ (القمر: ۳۵)

ہم نے ان کے تباہ کرنے کے لئے بھی کنکروں سے بھری ہوئی
ہوا چلائی (جس نے) آلِ لوط کے سوا (سب کو تباہ کر دیا) ہاں
صبح کے وقت (جب وہ عذاب آیا تو) ہم نے لوطؑ کے خاندان
کو بچا لیا۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر: ۴۲-۴۳)

اور آلِ فرعون کے پاس بھی نبی آئے تھے مگر آلِ فرعون نے
ہماری سب آیتوں کو جھٹلایا۔ جس پر ہم نے ان کو ایک غالب
طاقتور کی طرح عذاب میں پکڑا۔

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝ (القمر: ۴۴-۴۶)

کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں جو غالب آ کر رہیں گے ان کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کی تباہی کی گھڑی کا وعدہ کیا گیا ہے اور وہ وعدہ کی گھڑی بہت زیادہ ہلاک کرنے والی اور سخت ہوگی

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ط ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝ (القمر: ۴۸)

جس دن کہ وہ اپنے سرداروں سمیت آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کا عذاب چکھو۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر: ۵۲)

اور ہم تمہارے جیسے لوگوں کو پہلے بھی ہلاک کر چکے ہیں۔ اور کیا (اس بات کو جان کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ط كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝ إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ج فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝

(المزمل: ۱۷ تا ۲۰)

پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تھی اور ہم نے اس کو ایک وبال والے عذاب سے پکڑ لیا تھا۔ اور بتاؤ تو اگر تم نے اس دن کا انکار کیا جو جوانوں کو بڈھا بنا دیتا ہے تو تم کس طرح عذاب سے محفوظ رہو گے؟ آسمان خود ہی اس عذاب سے پھٹ جانے والا ہے۔ یہ اس (خدا) کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرے۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۗ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ۝

(الشمس: ۱۵-۱۶)

لیکن انہوں نے اس (نبی) کی بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلا دیا اور (وہ) اونٹنی جس سے بچتے رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا (اس) کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ وہ مٹ گئے اور وہ اسی طرح ان (مکّہ والوں) کے انجام کی بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

مندرجہ بالا آیات مع ترجمہ پیش کرنے کے بعد خاکسار معترض سے بادب یہ سوال کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ کیا اسلام کا خدا بھی یہودیت اور احمدیت کے خدا کی طرح نعوذ باللہ حاسد ہے اور دشمنوں کے لئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں اپنے پاس رکھتا ہے ؟ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا نعوذ باللہ قرآنی تعلیم بھی "اسلام کی روح اور مقاصد کے لئے" مہلک ہے ؟

ازراہِ شفقت اس سوال کا جواب ارشاد فرما کر مسلمانانِ عالم کے دلوں کی تسلّی کا سامان فرمائیں۔

صاف ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن کریم پر یہ اعتراض بدرجہ اُولیٰ وارد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک لغو اور لچر اعتراض ہونا بالبداہت ثابت ہے۔ اور فی الحقیقت اس اعتراض کا نشانہ خود اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات ہے جس کی سنت ہمیں بتاتی ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنے ہر نبی کے مخالفین کو عبرتناک سزائیں دیں اور بڑی بڑی مجرم قوموں کو کلیتہً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ پس اس اعتراض کی جڑیں لادینیت سے پیوستہ نظر آتی ہیں۔

دوسری وجہِ مماثلت :

دوسری وجۂ مماثلت یہ پیش کی گئی ہے کہ یہودیت کی طرح احمدیت بھی نبی کے متعلق نجومی تخیل پیش کرتی ہے۔

یہود چونکہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اس لئے نبیوں کے متعلق یہود کے نجومی تخیل کا تصور معترض نے غالباً انبیائے بنی اسرائیل کی تاریخ سے اخذ کیا ہے جو بائبل میں مذکور ہے۔ بائبل

کی رو سے یہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ سے علم پا کر غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے اور غیب کی خبریں بیان کرنا معترض کے نزدیک نجومیت کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ نبی کے متعلق یہود نجومی تخیل رکھتے تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام نے بھی چونکہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور تابع نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ سے علم پا کر بہت سی غیب کی خبریں بیان فرمائیں لہٰذا معترض کے نزدیک یہودیت اور احمدیت دونوں کا تخیلِ نبوّت **نجومیت** قرار پایا۔ یہ اعتراض بھی اپنی لغویت اور مضحکہ خیزی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ اعتراض قائم ہی تب ہو سکتا ہے جب پہلے یہ تسلیم کیا جائے کہ غیب کی خبریں بیان کرنا صرف نجومیوں کا خاصہ ہے اور کوئی سچا نبی غیب کی خبریں بیان نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اس اعتراض سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معترض کے خیال میں انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے سوا کبھی کسی نبی نے غیب کی خبریں بیان نہیں کیں لہٰذا اس نجومی تخیل میں صرف یہود کے مسلمہ انبیاء اور حضرت مرزا صاحبؑ شریک ہیں۔ اس پر پہلی گزارش تو یہ ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل کو نجومی قرار دینا ہی ایک مسلمان کے لئے سخت محلِ اعتراض بلکہ کلمۂ کفر ہے اور کوئی مسلمان جو گزشتہ تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہو۔ بنی اسرائیل کے برحق انبیاء کی نبوت کو محض اس لئے نجومی تخیل قرار نہیں دے سکتا کہ وہ غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے۔ گویا معترض کے نزدیک نجومیوں کے علاوہ علمِ غیب بیان کرنے میں صرف بنی اسرائیلی انبیاء اور حضرت مرزا صاحب ہی شریک ہیں اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے سوا دیگر انبیاء کو علمِ غیب نہیں دیا جاتا تھا ؟

ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان جو قرآن کریم کا معمولی علم بھی رکھتا ہو اس قسم کا لغو اعتراض نہیں کرسکتا۔ کیونکہ قرآن کریم تو واضح طور پر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سوا کسی دوسرے شخص کو علمِ غیب پر غلبہ عطا نہیں فرماتا۔ جیسا کہ فرمایا:۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ....الخ (سورۃ جن)

گویا قرآن کریم جس صفت کو اپنے برگزیدہ نبیوں کے ساتھ مخصوص کر رہا ہے وہ صفت معترض کے نزدیک صرف انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام اور نجومیوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یَاللعَجَبْ !

یہ اعتراض جہاں ایک طرف قرآن کریم سے معترض کی جہالت کی دلیل ہے۔ وہاں اس بات کی بھی غمازی کر رہا ہے کہ یہودیت اور احمدیت کے درمیان مشابہت ثابت کرنے کے شوق میں معترض بنی اسرائیل کے برگزیدہ نبیوں پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتا، اور ان کی نبوت کو بھی اپنے گھٹیا مذاق کا نشانہ بنانے سے باز نہیں رہتا۔ اس کے نزدیک چونکہ دونوں میں قدر مشترک غیب کی خبریں ہیں لہٰذا دونوں ہی نبوت کا نجومی تصور رکھتے ہیں۔ دیکھئے عداوت بعض اوقات انسان کو کیسا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ حملہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وار کس کس پر پڑ رہا ہے ؟

اس اعتراض سے جہاں ایک طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معترض قرآن کریم سے بالکل بے بہرہ ہے ورنہ علمِ غیب کو علمِ نجوم قرار نہ دیتا، وہاں دوسری طرف یہ بھی عیاں ہے کہ وہ حقیقتِ احمدیت سے بھی بالکل نابلد ہے اور محض اپنے ہی خیالات کی تخلیق ایک خیالی احمدیت پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اگر احمدیت

پر اعتراض سے قبل اسے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کی توفیق ملی ہوتی تو کبھی ایسا لغو اعتراض نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے نہایت عارفانہ اور محققانہ رنگ میں نبی اور نجومی کے درمیان کھلا کھلا فرق کر کے دکھا دیا ہے اور کوئی اشتباہ کا پہلو باقی نہیں چھوڑا آپ نے آیت فلا یظھر علی غیبہ احدا ... الخ کی نہایت لطیف تفسیر کرتے ہوئے بارہا یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگرچہ نجومی بھی اٹکل پچو سے پیشگوئیاں کرتے ہیں اور بعض پیشگوئیاں ان کی سچی بھی نکل آتی ہیں لیکن انہیں انبیاء کے برعکس کبھی غیب پر غلبہ عطا نہیں کیا جاتا۔ اور ان کی اکثر پیشگوئیاں جھوٹی اور خیالی نکلتی ہیں ... نیز ان میں تائیدِ الٰہی اور نصرتِ باری تعالیٰ کی کوئی علامتیں نہیں پائی جاتیں جبکہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں اُن کے غلبہ کے اٹل وعدے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے روشن نشانات ملتے ہیں۔ مزید برآں نجومی غیب کی خبریں خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے جبکہ انبیاء علیہم السلام غیب کی خبریں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سناتے ہیں اور تائید الٰہی کے بکثرت نشان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ پس احمدیت کے پیش کردہ نبوتِ کے قرآنی تصوّر کو نجومیت کے مشابہ قرار دینا یا تو احمدیت کی اسلامی تعلیم سے معترض کی جہالت کی دلیل ہے یا عمداً محض ظلم کی راہ سے عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ یہ دونوں صورتیں سخت افسوسناک اور قابلِ مذمّت ہیں۔

معترض اپنے اعتراض کے شوق میں یہ بات بھی بھول جاتا ہے کہ سب نبیوں سے زیادہ غیب کی خبریں تو خود حضرت خیر الرسل سیدنا محمّد مصطفٰے

صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں۔ کیا نعوذ باللہ اس کے نزدیک یہ اور بھی محلِ اعتراض ہے اور عیاذاً باللہ علمِ نجوم سے مشابہت کے مترادف ہے۔ معترض بتائے کہ اسرائیلی انبیاء اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے تصوّرِ نبوّت میں وہ کون سی قدرِ مشترک ہے جو دیگر انبیاء کے علمِ غیب سے ان کو الگ کرتی ہے ــ؟ بنی اسرائیل کا تخیلِ نبوّت تو اس کے سوا کچھ نہیں جو بائبل انبیائے بنی اسرائیل کے کردار کی صُورت میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے اگر یہ تخیل احمدیت کے تخیل کے مشابہ ہے اور اس تخیل کو نجومیت قرار دینا جائز ہے تو معترض کا فرض ہے کہ قرآن سے وہ تخیلِ نبوّت نکال کر دکھائے جو بنی اسرائیل کے انبیاء کے کردار کے منافی ہو اور اس تخیل کی مذمت کرنے والا ہو۔ بصورت دیگر ثابت کرے کہ بنی اسرائیل کی شخصیتوں کے علاوہ بھی کوئی یہودی تخیلِ نبوّت ہے جسے نجومی تخیل کہا سکتا ہے جو برحق انبیائے بنی اسرائیل کی نبوّت پر اطلاق نہیں پا سکتا بلکہ اس کے منافی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے اعتراض کرتے وقت یہ بات سامنے رکھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ نبوّت کی تائید میں اپنی ایسی پیشگوئیاں پیش کیں جو اللہ تعالےٰ سے علمِ غیب پائے بغیر نہیں کی جاسکتی تھیں اور اس علمِ غیب کو اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ معاً معترض کا دماغ ان بنی اسرائیل انبیاء کی طرف پھر گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہُوئے ہی غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے چونکہ وہ اس بات کی اہلیت نہ رکھتا تھا کہ علمِ نجوم اور انبیاء کے علمِ غیب میں فرق کر سکے۔ اس لئے اس نے ان تینوں کو باہم دگر مشابہ قرار دیتے ہوئے اعتراض اور تمسخر کی ایک راہ نکال لی۔ اگر وہ صرف نجومیت سے مشابہت کی حد تک

رہتا تو ہمیں اس پر اتنا تعجّب نہ ہوتا لیکن انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت کو باعثِ اعتراض ٹھہرانا تو سخت حیرت انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے جہاں معترض قرآنِ کریم سے بے بہرہ ہے وہاں احادیثِ نبویہؐ کا بھی کوئی علم نہیں رکھتا ورنہ بنی اسرائیل کے انبیاء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشابہت کو باعثِ اعتراض قرار نہ دیتا۔ دیکھئے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت کو ایک سعادت اور خوش بختی کے طور پر پیش فرماتے ہیں جیساکہ اپنی اُمّت کے بزرگ اور متقی علمائے ربّانی کے متعلق فرمایا: عُلَمَاءُ أُمَّتِیْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْل۔

پس نہ تو انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت باعثِ ننگ ہے۔ نہ وہ تخیلِ نبوّت قابلِ شرم ــ جو اسرائیلی انبیاء کے کردار سے اخذ کیا گیا ہو۔ ہاں ایک بات ضرور باعثِ ننگ بھی ہے اور قابلِ شرم بھی اور اس سے بچنے کی مسلمان عوام اور علماء دونوں کو بہت دعا کرنی چاہیئے۔ وہ بات یہ ہے کہ خدانخواستہ ان کا کردار اس طرح یہود کے کردار سے مشابہ نہ ہو جائے جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس ہولناک مشابہت کا ذکر کرتے ہُوئے اور مسلمانوں کو اس وقت سے ڈراتے ہوئے سب سے بڑھ کر غیب کا علم پانے والے سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ لیاتین علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان منھم من اتی امه علانیة لکان فی امتی من یصنع ذٰلک و ان بنی اسرائیل تفرّقت

على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتى على
ثلاث وسبعين ملة كلهم فى النار الاملة
واحده قالو من هي يارسول الله! قال
ما انا عليه واصحابى"۔

(ترمذی کتاب الایمان باب افتراق هذه الامة ص $\frac{89}{2}$)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت پر بھی وہ حالات آئیں گے۔ جو بنی اسرائیل پر آئے تھے جن میں ایسی مطابقت ہے جیسے ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہُوا تو میری اُمّت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئے گا۔ بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ اور میری اُمّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کون سا ہے تو حضور نے فرمایا وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔

"عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم
یوشك ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی
من الاسلام الا اسمه ولا یبقی من القران
الا رسمه۔ مساجدهم عامرة وهی خراب
من الهدی علماء هم شر من تحت ادیم

السماء من عندهم تخرج الفتنة وفیهم تعود"

(رواه البیهقی فی شعب الایمان مشکوٰة کتاب العلم فصل الثالث ص ۳۸)

ترجمہ: حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہ رہے گا یعنی عمل ختم ہو جائے گا۔ اس زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بد ترین مخلوق ہوں گے ان میں سے ہی فتنے اُٹھیں گے اور ان میں ہی لَوٹ جائیں گے یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے۔

تیسری مماثلت

یہودیت سے احمدیت کی تیسری مماثلت یہ بیان کی گئی ہے کہ دونوں ہی روحِ عیسےٰ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

"روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" کے الفاظ پر ذرا غور فرمائیے!

ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

والا قصہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک لغو اور مہمل فقرہ ہے جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ پَیر، اور کھینچ تان کر اگر اس کے کوئی معنی نکالے بھی جائیں تو حقیقت سے ان کا دُور کا بھی تعلق دکھائی نہیں دیتا اگر معترض کی مراد یہ ہے کہ یہودی اور احمدی دونوں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح کی رُوح مسلسل اس دنیا میں رہتی ہے یا بار بار دنیا میں نیا جنم لیتی رہتی ہے تو یہ دونوں باتیں سراسر

بے بنیاد اور لغو ہیں۔

مسیح کے بارہ میں یہود کا عقیدہ مسیح کے بارہ میں احمدیت کے عقیدہ سے بالکل مختلف ہے اور جدا گانہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا عقیدہ بھی اس فرضی عقیدہ کے مطابق نہیں جو معترض نے دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ محض ایک فرضی قصّہ ہے جو معترض کا ایجاد کردہ ہے۔ ورنہ نہ تو یہود اس کے قائل ہیں نہ مسلمان ، نہ عہدنامہ قدیم میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ نہ قرآن میں نہ حدیث میں — احمدیت کے نظریات چونکہ سراسر قرآن و حدیث پر مبنی ہیں لہٰذا احمدیت کے لئے ایسے غیر اسلامی عقیدہ پر ایمان رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناب "مولانا بنوری" صاحب کے علم میں اضافہ کی خاطر گزارش ہے کہ یہود کا مسیح کے بارہ میں صرف یہ عقیدہ ہے کہ یہودی قوم کو از سر زندگی بخشنے اور دنیا پر غالب کرنے کے لئے ایک نبی پیدا ہوگا جسے بائیبل مسیح کے نام سے پکارتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اس نبی کے ظاہر ہونے سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے اترے گا۔ یہ ایلیا نبی وہ ہے جو یہودی خیال کے مطابق کبھی اپنی رتھ سمیت آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا اور مسیح کے ظہور سے پہلے اس نے آسمان سے اُتر کر اس کی آمد آمد کی منادی کرنی تھی۔ یہود چونکہ آج تک ایسے ایلیا کا انتظار کر رہے ہیں جو اپنے مادی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا اور زندہ آسمان سے اترے گا۔ لہٰذا وہ حضرت مسیح ناصریؑ کے دشمن ہو گئے کہ جب تک کوئی ایلیا بجسمِ عنصری آسمان سے نہ اُترے وہ مسیحیت کے کسی دعویدار کے دعویٰ پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس عقیدہ کو "رُوحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" کہنا ایک نیرنگیٔ خیال ہے۔ احمدیت

کا عقیدہ یہود کے عقیدہ کے بالکل برعکس یہ ہے کہ جس مسیح کے ظہور کی خبر بائیبل میں دی گئی تھی وہ مسیح تو ظاہر ہو کر اور اپنا مشن پورا کر کے فوت بھی ہو چکے ہیں اور کبھی دوبارہ دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ احمدیت یہود کے اس الزام کو باطل قرار دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام اپنے دعویٰ میں جھُوٹے تھے۔ احمدی قرآن کریم کے بیان کے مطابق آپؑ کو سچا اور برحق نبی سمجھتے ہیں۔ احمدیت یہود کے اس خیال کی بھی تردید کرتی ہے کہ ایلیا نبی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ایلیا کا کیا ذکر کوئی رسول اور نبی بھی مادی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر نہیں اٹھایا گیا تاکہ بعد میں کسی دوسرے وقت اسے دوبارہ دنیا میں اتارا جائے اور کسی اور قوم کی طرف مبعوث کیا جائے۔ احمدیت اس خیال کو بشریت اور رسالت کے تقاضوں کے خلاف سمجھتی ہے۔ اب احمدیت کے عقیدہ کی اس وضاحت کے بعد ہم معترض سے یہ پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ اوّل تو یہ فرمائیں کہ احمدیت اور یہودیت کے ان متضاد عقائد میں جناب کو کونسی وجہِ مماثلت نظر آئی ہے۔ کیا یہ مماثلت دیکھنے کے لئے کسی خاص عینک کی ضرورت ہے؟ اور اس عینک کو تعصّب کی عینک تو نہیں کہا جاتا؟ دوسرے، اس امر پر بھی روشنی ڈالیں کہ حضرت مسیح کے بارہ میں احمدیت کے مندرجہ بالا عقیدہ کو "روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا کسی نبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ فوت ہو چکا ہے اور دیگر انبیاء کی طرح اس کی رُوح جسمِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے ربّ کے حضور حاضر ہو چکی ہے اس نبی کی روح کے تسلسل کا عقیدہ کہلائے گا؟ اگر کسی نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کی روح دیگر انبیاء کی روحوں کی طرح ہمیشہ کے لئے عالمِ بالا

میں جا چکی ہے اور اب کبھی اس فانی دنیا میں واپس نہیں آئے گی۔ تو کیا ایسے عقیدہ کا نام اس نبی کی روح کے تسلسل کا عقیدہ قرار دیا جائے گا؟ اگر قرار دیا جائے گا تو کس منطق، کس عقل، اور کس محاورہ کی رُو سے؟ علاوہ ازیں یہ بھی فرق کرکے دکھایئے کہ تمام انبیاء کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی بنا پر اس عقیدہ کو "کل انبیاء کی روحوں کے تسلسل کا عقیدہ" قرار کیوں نہ دیا جائے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم گزارش یہ ہے کہ احمدی تو تمام انبیاء کی روحوں کے بارہ میں ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کی روح کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے۔ ہاں یہ خود آپ کا عقیدہ ہے کہ باقی تمام نبیوں کی روحیں تو جسمِ عنصری سے پرواز کر چکی ہیں صرف ایک حضرت عیسیٰ کی روح ہے جو مسلسل بلا انقطاع اسی مادی جسم سے وابستہ چلی آرہی ہے۔ اب فرمایئے! کہ اس عقیدہ کا نام "روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" رکھنا کیسا رہے گا؟ کیا آپ کو یہ دلچسپ اصطلاح اپنے عقیدہ پر نہایت عمدگی سے چسپاں ہوتی نظر نہیں آتی؟ اس پہلو سے جب اس اصطلاح پر ایک بار پھر نظر ڈالی جائے تو بے اختیاریوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو بنائی ہی آپ کے عقیدہ کے لئے گئی تھی۔ کیسی عمدگی سے ٹھیک بیٹھی ہے۔ جیسے کسی اچھے درزی نے عین ناپ کا کپڑا سیا ہو۔

اب رہا یہود کے عقیدہ سے مماثلت کا سوال۔ تو لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مماثلت بھی جناب ہی کے حصہ میں آرہی ہے۔ کیونکہ یہود بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایک نبی زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تھا اور آج تک ایک دفعہ پھر زمین پر اترنے کے انتظار میں زندہ آسمان پر بیٹھا ہے اور آنجناب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ایک نبی زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور آج تک زندہ آسمان پہ بیٹھا ہے۔ دونوں کے عقیدہ میں صرف شخصیت کا فرق ہے ورنہ ہو بہو ایک دوسرے

کی تصویر ہیں۔ کیا خیال ہے اس مماثلت کے بارہ میں؟

آخر میں گزارش ہے کہ اگر روحِ مسیح کے تسلسل کے عقیدہ سے مراد یہ ہے کہ احمدی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر ایمان لاکر اُمّتِ محمدیہؐ میں ہونے والے ایک ایسے موعود نبی کی آمد کے قائل ہیں جسے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیح کا نام دیا گیا ہے تو سب سے پہلے تو جناب مولانا صاحب سے مودّبانہ گزارش یہ ہے کہ اس عقیدہ کو یہودیت قرار دینے سے قبل وہ خوفِ خدا سے کام لیں اور استغفار کریں۔ کیونکہ مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی تو خود سیدِ ولدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جس کا بکثرت احادیثِ صحیحہ میں ذکر ملتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد مسیحِ موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو یہ احادیث نہیں بنائیں۔ اس لئے کسی مسلمان کی طرف سے اس عقیدہ کا محلِّ اعتراض ٹھہرایا جانا ایک انتہائی گستاخانہ امر ہے اور ایسے شخص کے متعلق دو ہی امکانات ہیں یا تو وہ احادیثِ نبویہؐ کا سرے سے مُنکر ہے اور اہلِ قرآن کے فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے مشہور سربراہ آج کل غلام احمد صاحب پرویز ہیں یا پھر وہ حدیثوں کو تو صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن نعوذ باللہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کی جسارت کرکے اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے۔ معلوم نہیں "مولانا" پر ان دونوں میں سے کون سی صورت صادق آتی ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے وہ فرقہ اہلِ قرآن سے تعلق تو نہیں رکھتے۔ واللہ اعلم بالصواب!

"مولانا" صاحب سے ایک بار پھر مودّبانہ گزارش ہے کہ مسیحِ موعود کے ظہور کے عقیدہ پر تو "اہلِ قرآن" کے سوا احمدیوں کی طرح تمام مسلمان فرقے ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان صرف فرق یہ ہے کہ احمدی تو ان پیشگوئیوں کا مصداق

اُمّتِ محمدیہؐ میں پیدا ہونے والے ایک مصلح کو قرار دیتے ہیں اور جسے بعض مماثلتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح کا لقب عطا گیا اور غیر احمدی اُسی پرانے مسیح کی آمد کے منتظر ہیں جو آج تک مسلسل آسمان پر زندہ بیٹھا ہوا ہے۔ "مسیح نبی اللہ" کی آمد پر تو بہر حال دونوں کو اتفاق ہے۔ ہاں احمدی روحِ مسیح کے تسلسل کے ہرگز قائل نہیں، ایک نئی رُوح لے آکر آنے والے نئے اُمتی مسیح کی آمد کے قائل ہیں۔

نئی مماثلتیں نئے اعتراضات

اقبال کے دائرہ فکر سے بڑھ کر جناب "مولانا" محمد یوسف بنوری صاحب نے بہت سی نئی مماثلتیں بھی تلاش فرمائی ہیں جو تفنّنِ طبع کے سامان سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن چونکہ ان کے نزدیک وزنی اعتراضات کا درجہ رکھتی ہیں لہٰذا ہم جواب دینے پر مجبور ہیں۔

(۱) احمدیت، صیہونیت کی ایک شاخ ہے — اقبال سے ماخوذ

مندرجہ بالا تین مماثلتوں کے علاوہ جو نئی مماثلتیں اور نئے قابلِ اعتراض نکات مولانا صاحب نے دریافت فرمائے ہیں، اُن میں سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے نسباً اسرائیلی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس لئے لازماً احمدیت صیہونیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اوّل تو مولانا کو یہی معلوم نہیں کہ نسلاً اسرائیلی ہونے اور عقیدۃً یہودی ہونے میں کتنا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے "مولانا" نہ تو نسل اور مذہب کے درمیان کوئی

امتیاز جانتے ہیں اور نہ تاریخ اسلام سے انہیں کوئی واقفیت ہے۔ ورنہ وہ ایسا لغو اعتراض قلم تک لانے کی جسارت نہ فرماتے۔ کیا جنابِ مولانا کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوب کی نسل میں سے ہونا (نعوذ باللہ) کوئی لعنت کی بات ہے؟ کیا مولانا کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوب کی نسل کا ہر انسان یہودی العقیدہ ہے اور نہ کوئی ان میں عیسائی بنتا ہے نہ مسلمان؟ کیا جناب "مولانا" صاحب کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوب کی نسل کا کوئی فرد بھی امتِ محمدیہ میں نہ کبھی شامل ہُوا ہے، نہ ہو سکتا ہے، نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے بھی وہ مشرف باسلام ہوا ہو تو بھی وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا اور اس کے اسرائیلی ہونے کا جرم برقرار رہے گا یہاں تک کہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی مسلمان در مسلمان اولاد بھی یہودی کہلانے کی سزاوار ہوگی۔

جنابِ مولانا صاحب! گزارش یہ ہے کہ آپ بات کرنے سے پہلے ذرا تول تو لیا کریں کہ فرما کیا رہے ہیں اور فرمانا کیا چاہتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیحِ موعود علیہ السلام کے رسالہ بنام "ایک غلطی کا ازالہ" سے آنجناب نے جب حسبِ ذیل استنباط فرمایا ہے:-

> "قادیانی تحریک کے بانی (مرزا غلام احمد قادیانی) کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نسلاً اسرائیلی ہیں" (ایک غلطی کا ازالہ)
> درحقیقت اس امر کا برملا اظہار ہے کہ قادیانیت صیہونیت کی ہی ایک شاخ ہے۔

اصل عبارت کا کیا مفہوم ہے۔ یہ تو بعد میں ذکر ہوگا۔ فی الحال ہم جناب مولانا صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس خود ساختہ قاعدہ کلیہ کو ذرا دوسری

جگہوں پر بھی جاری فرما کر دکھائیے! مثلاً اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں کسی بنی اسرائیل کا قبولِ اسلام ثابت ہو تو کیا ایسے مسلمان کے نسباً اسرائیلی ہونے کی وجہ سے اس کے اسلام کو نعوذ باللہ صیہونیت ہی کی ایک شاخ قرار دیا جائے گا؟ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا کا کیا خیال ہے؟

ذرا اور آگے بڑھیئے! اس بنی اسرائیلی صحابیؓ کی اولاد بھی ہوئی ہو اور سب دُنیا میں پھیلی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اولاد نسباً اسرائیلی ہی کہلائے گی خواہ مذہباً مسلمان ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام اولاد ایک ہی فرقہ سے تعلق رکھتی ہو، عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض سُنّی ہوں، بعض شیعہ، بعض اہلِ حدیث یا دیوبندی اور بعض چکڑالوی، اب "مولانا" کے گھڑے ہوئے قاعدہ کی رُو سے کیا یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ جس فرقہ میں بھی کوئی اسرائیلی نسل مسلمان ہے وہ فرقہ صیہونیت ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے۔

ایک اور ضروری گزارش "مولانا" سے یہ ہے کہ اس اعتراض سے قبل کیا انہوں نے فلسطین کے مسلمان باشندوں اور شام کے مسلمان باشندوں وغیرہ کے بارہ میں یہ تسلی فرمالی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی نسباً اسرائیلی نہیں ہے یعنی جب سے اسلام کی نعمت دنیا کو عطا ہوئی ہے۔ کوئی اسرائیلی مسلمان نہیں ہوا یا اگر ہوا ہے تو لازماً اس کی اولاد بقول مولانا صیہونیت کی کسی شاخ سے تعلق رکھتی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! کوئی عقل کی بات کریں یہ آپ کہہ کیا رہے ہیں؟ اور آپ کو ہو کیا گیا ہے؟

اب دیکھئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ایک غلطی کا ازالہ" میں کیا تحریر فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:۔

"میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ مَیں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنزالاعمال میں درج ہے بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہلِ بیت میں سے ہیں۔"

اس عبارت میں کنزالاعمال کی جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس میں حضرت سلمانؓ فارسی کو اہلِ بیت قرار دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اگر نسباً بنی اسرائیل سے ہونے کا دعویٰ ہے تو براہِ راست نہیں حضرت سلمانؓ فارسی کی نسبت سے ہے۔

اب جناب مولانا صاحب سے میری گزارش یہ ہے کہ اس صورتحال پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال کر اپنے اعتراض پر نظرِثانی فرمائیں کہ اس کی مکمل شکل کیا بنے گی؟

حضرت مرزا صاحبؑ کی عبارت کا منشاء تو یہ ہے کہ آپ اس لئے بنی اسرائیل میں سے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی بنی اسرائیل میں سے تھے اگر مولانا صاحب حضور علیہ السلام کے اس دعویٰ کو قبول نہیں کرتے، تو وجہِ اعتراض ہی ختم ہو جاتی ہے۔ نہ حضرت مرزا صاحب اسرائیلی تسلیم ہوئے نہ مولانا صاحب کی منطق کی رُو سے احمدیت صیہونیت کی شاخ! گویا سارے اعتراض کا قصہ ہی پاک ہو جاتا ہے۔

اگر مولانا حضورؑ کے دعویٰ کو تسلیم کرتے ہیں تو پہلے محلّ اعتراض تو حضرت سلمان فارسی بنے اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا مذہب نسباً بنی اسرائیل ہونے کے باعث (نعوذ باللہ) صیہونیت ہی کی ایک شاخ ہے اور قیامت تک آپ کی اولاد میں سے جو شخص بھی کوئی مسلک اختیار کرے گا وہ مہلک

صیہونیت ہی کی ایک نئی شاخ قرار پائے گا۔کیا جناب مولانا صاحب کا یہی عقیدہ ہے ؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو مولانا کی اس منطق کا اس عقلِ سلیم سے کوئی بھی رشتہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم نعمت کے طور پر انسان کو عطا فرمائی ہے۔

(ب) انکار عیسٰی علیہ السلام

"مولانا" صاحب نے دوسری نئی وجہِ مماثلت یہ دریافت فرمائی ہے کہ:

"یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسٰی علیہ السلام پر قائم کی گئی ہے...... قادیانی تحریک کے بانی کا دعویٰ ہی انکارِ عیسٰی علیہ السلام پر مبنی ہے۔" (ص۴۴)

اس اعتراض کا پہلا فقرہ ہی ایک عجیب وغریب لطیفہ ہے۔کیا بات پیدا کی ہے جنابِ "مولانا" نے۔یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسی علیہ السلام پر قائم ہے !! قارئین ذرا غور فرمائیے' مولانا صاحب کی تاریخِ مذاہب سے واقفیت کس قدر عمیق ہے۔اگر یہودیت کی بنیاد انکار عیسی علیہ السلام پر قائم ہے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے کیا یہودیت کا کوئی وجود نہ تھا؟ مولانا ذرا واضح فرمائیں کہ قرآن کریم حضرت مسیح کے ظہور سے قبل جس یہودیت کی تاریخ بیان کرتا ہے وہ کیا چیز تھی؟ اس مذہب کا کیا نام تھا جس کی بنیاد قرآن کریم کے نزدیک **توراۃ** پر تھی نہ کہ انکارِ عیسٰی علیہ السلام پر۔ احمدیت کی دشمنی میں کیا اب تاریخ مذاہب ہی تبدیل کر دی جائے گی۔اب اگلا فقرہ ملاحظہ فرمائیے :۔

قادیانی تحریک کے بانی کا دعویٰ ہی انکار عیسٰی علیہ السلام

پر مبنی ہے۔"

اللہ سے ڈریں مولانا ! اللہ سے ڈریں !! اتنی بڑی غلط بیانی اور دن دہاڑے ؟ قادیانی تحریک سے مراد اگر احمدیت ہے تو احمدیت کے بانیؑ حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ رسول یقین کرتے تھے اور آپ کی رسالت پر ایمان لاتے تھے۔آپ پر یہ الزام کہ آپؑ نعوذ باللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوّت کے منکر تھے' ایک افترائے عظیم ہے۔اگر آنجناب کا منشا یہ ہے کہ بانیٔ احمدیت حضرت عیسٰی علیہ کی غیر طبعی انیس ۱۹ سو سالہ زندگی کے قائل نہ تھے تو یہ انکارِ عیسٰی تو نہیں کہلا سکتا۔ ہاں انکار" ابن اللہ" اسے بے شک کہہ دیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو محض ایک بشر رسول تسلیم کرتے تھے اور آپ کے اندر کسی ما فوق البشر قوّت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

بہر حال اگر انکارِ مسیح سے جناب کی یہی مراد ہے تو اس" انکارِ مسیح" کو یہود کے انکارِ مسیح کے مشابہ قرار دینا کیا معنی ؟ یہود تو مسیحؑ کو نہ ابن اللہ مانتے ہیں نہ رسول اللہ۔جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسیحؑ کو رسول اللہ مانتے تھے۔ ہاں ابن اللہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔اگر جناب اسی کو مماثلت قرار دیتے ہیں تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا ہم اس کا اور کیا جواب دے سکتے ہیں ؟

ج۔ قتلِ مسیح

تیسری لاجواب مماثلت جناب مولانا صاحب نے یہ تلاش فرمائی ہے کہ یہودی بھی حضرت مسیحؑ کے قتل کے دعویدار ہیں اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی مسیح کے مارنے پر فخر کرتے ہیں اور

فرماتے ہیں :-

"میرا وجود ایک نبی کو مارنے کے لئے ہے"

اس بات کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مولانا کا ذہن کس قدر الجھا ہوا ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح ابنِ مریم کو قتل کر دیا اور حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فرمانا کہ وہ ہرگز ان کو قتل نہ کر سکے اور صلیبی موت دینے میں ناکام رہے، جناب مولانا کے نزدیک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ مولانا کے نزدیک یہود کا یہ دعوی کہ ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو قتل کر دیا اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا یہ دعویٰ کہ آپ نے قرآن کریم کی بیّن آیات اور حدیثِ نبویہؐ کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کا طبعی موت سے وفات پا جانا ثابت فرما دیا ہے، ایک ہی نوعیت کا جرم ہے اور ان دونوں پر قتلِ مسیح کا الزام عائد ہوگا؟

مولانا کی پیش کردہ یہ مماثلتیں یقیناً اس لائق ہیں کہ انہیں نوادر کے طور پر کسی ڈبیہ میں بند کر کے محفوظ رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں کچھ اندازہ تو کر سکیں کہ احمدیت کو کن صاحبِ فراست "بزرگوں" سے پالا پڑا تھا۔

حضرت مسیح پر صحیح النسب نہ ہونیکا الزام

مولانا صاحب کو مماثلتیں تلاش کرنے کا اس قدر شوق ہے کہ سچ جھوٹ میں کوئی تمیز باقی نہیں رہنے دی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ افترائے عظیم کرنے سے بھی نہیں چوکے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیحِ ناصری علیہ السلام کو یہود کی طرح صحیح النسب

قرار نہ دیتے تھے اور بغیر صفحہ کے حوالے کے کتاب "انجام آتھم" کی طرف آپ کا یہ عقیدہ منسوب کیا ہے۔ مولانا! آپ مسلمان کہلاتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کے مذہبی رہنما بنتے ہیں، کیا آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ قولِ زور ایک گناہِ کبیرہ ہے اور قیامت کے دن اس افتراء پردازی کا مؤاخذہ ہوگا اگر آپ سچے ہیں تو من وعن وہ اقتباس شائع فرمائیے جس سے ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیحؑ کو صحیح النسب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

صلیبی موت

یہودیت اور احمدیت کے درمیان ایک مشابہت "مولانا" صاحب کو یہ سوجھی ہے کہ یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو انہوں نے صلیب پر مار دیا، حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا، البتہ حضرت مسیح صلیب پر مرے نہیں بلکہ نیم مردہ حالت میں زندہ صلیب سے اتار لئے گئے۔

جناب مولانا صاحب! اصل مبحث تو تھا ہی یہی کہ یہودی حضرات مسیحؑ کو صلیبی موت دینے میں کامیاب ہوئے کہ نہیں۔ اس بنیادی نزاع میں احمدیت اور یہودیت کے عقائد میں قطبین کا فرق ہے محض صلیب پر چڑھانے کی تاریخی اور ثابت شدہ حقیقت میں اتفاق کو ایک قابلِ اعتراض مماثلت کے طور پر پیش کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں ہزاروں مماثلتیں تو خود جناب مولانا صاحب میں اور مختلف دشمنانِ اسلام کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ اب دیکھئے، یہود بھی حضرت مسیح کو حضرت مریمؑ

کا بیٹا سمجھتے تھے اور مولانا صاحب کا بھی اس بارہ میں یہی عقیدہ ہے تو کیا مولانا یہود کے مشابہ ہو گئے۔ یہود علمائ بھی بڑی بڑی داڑھیاں رکھتے ہیں۔ یہود علماء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دیگر انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اور مولانا بھی۔ جناب مولانا صاحب اور یہود کے مابین یہ اور اس قسم کی سینکڑوں مشابہتیں پیش کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔ تو کیا جناب مولانا صاحب ان مماثلتوں کے نتیجہ میں یہود کے ایجنٹ ثابت ہوتے ہیں اور کیا کسی کے لئے جائز ہوگا کہ ان مماثلتوں کے پیشِ نظر جناب مولانا یوسف بنوری صاحب کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کرے جس کا عنوان ہو۔ "بنور سے تل ابیب تک" ؟

معجزاتِ مسیح اور مسمریزم

ایک الزام "مولانا" نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ لگایا ہے کہ آپ یہود کی طرح حضرت مسیحؑ کے معجزات کو لہو ولعب اور مسمریزم سمجھتے تھے۔

اب اس جھوٹ اور بہتان کا کوئی کیا جواب دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو ہرگز مسمریزم قرار نہیں دیا بلکہ ان عیسائیوں سے مناظرہ کے دوران جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے معجزات کو بنظرِ استخفاف واستہزاء دیکھتے تھے یہ مؤقف اختیار کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے حضرت مسیحؑ کے معجزات کو کوئی نسبت نہ تھی۔ اور بائبل سے ہی یہ ثابت فرمایا کہ حضرت مسیح کے معجزات کی طرح کے کرشمے اس زمانہ کے بعض مسمریزم کرنے والے بھی دکھایا کرتے تھے

لیکن یہ ہرگز کبھی نہیں فرمایا کہ خود حضرت مسیح کے معجزات مسمریزم یا شعبدہ تھے۔ بلکہ جہاں تک حضرت مسیح کے قرآن مجید میں مذکور معجزات کا ذکر ہے انہیں تسلیم فرمایا اور ان کی وضاحت فرمائی اور ان معجزات پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اب مولانا صاحب فرمائیں! کہ کیا یہود کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابل پر حضرت مسیح کے معجزات معمولی حیثیت کے تھے اور کیا یہی دونوں کے مابین وجہِ مماثلت ہے؟ یہودی تو ہر دو نبیوں کے معجزات کو جھوٹ وافترا قرار دیتے ہیں۔

اسلام دُشمنی

ایک مماثلت مولانا نے یہ ایجاد فرمائی کہ یہود کی طرح احمدیہ جماعت بھی نعوذ باللہ اسلام کی بدترین دشمن ہے۔ اس کے ثبوت میں الفضل ۳ر جنوری ۱۹۵۲ء کا درج ذیل اقتباس پیش فرماتے ہیں:

"ہم فتح یاب ہوں گے اور ضرور مجرموں کی طرح
ہمارے سامنے پیش ہو گے، اس دن تمہارا حشر وہی
ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا"
(رسالہ "ربوہ سے تل ابیب تک" ص۵)

پیشتر اس کے کہ اس طرزِ استدلال پر تبصرہ کیا جائے، مناسب ہوگا کہ الفضل کا مذکورہ اصل اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ ایک طرف تو یہ معلوم کرنے میں سہولت ہو جائے کہ "مولانا" صاحب کس حد تک اقتباس پیش کرنے میں **دیانتداری** سے کام لیتے ہیں اور دوسری طرف اصل سیاق وسباق کی روشنی میں قائل کا صحیح مدعا معلوم

ہو سکے۔ اصل اقتباس حسبِ ذیل ہے :۔

"یہ محض اکثریت میں ہونے کا نتیجہ ہے کہ ایسی باتیں کر رہے ہو لیکن غور کرو کیا ابوجہل کی بھی دلیل نہ تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے ملک کی ننانوے فی صدی آبادی کے خیالات کے خلاف کوئی بات کہے۔ آخر آج جو دلیل تم دیتے ہو کیا وہی دلائل ابوجہل نہیں دیا کرتا تھا؟ تمہارے کہنے پر بے شک حکومت مجھے پکڑ سکتی ہے، قید کر سکتی ہے، مار سکتی ہے لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی اس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے وہ یقیناً ایک دن جیتے گا۔ تب ایسا تکبّر کرنے والے لوگ پشیمان ہونے کی حالت میں آئیں گے اور انہیں کہا جائے گا بتاؤ، تمہارا فتویٰ اب تم پر عائد کیا جائے۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور اکثریت کا گھمنڈ کرنے والے لوگ آپؐ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں فرمایا۔ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ آپ کا مقصد کہنے سے یہی تھا کہ وہ اپنی اکثریت کے زعم میں جو کچھ کہا کرتے تھے وہ انہیں یاد دلایا جائے۔"

اصل اقتباس قارئین کے سامنے ہے افسوس کہ مولانا صاحب کو اس اقتباس میں ردّ و بدل کرتے ہوئے یہ یاد نہ رہا کہ فتح مکہ سے تو کئی سال

قبل ابوجہل مر چکا تھا۔ ورنہ وہ اپنی طرف سے اقتباس میں یہ اضافہ نہ فرماتے کہ :۔ "اس دن تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا"۔

بہرحال اصل اقتباس کو پیش کر کے ہم مولانا صاحب کو اس سادہ سی حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ معمولی عقل و فہم کا انسان بھی اس اقتباس کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس اقتباس سے یہ ثابت ہونے کی بجائے کہ احمدی ظالم ہے اور دیگر مسلمانوں کے لئے سخت نفرت کے جذبات رکھتے ہیں بالکل برعکس نتیجہ نکلتا ہے۔ اس میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اکثریت کے گھمنڈ میں کمزور اقلیتوں پر ظلم کرنا سنتِ انبیاء نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کا وطیرہ ہے لہٰذا محض اس لئے کہ تم اکثریت میں ہو، احمدیت پر زیادتی کرنے سے باز آؤ۔ جماعت احمدیہ کی مثال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی اس حالت سے دی گئی ہے جبکہ آپ کمزور تھے اور دشمن بھاری اکثریت میں تھے۔ اس کے باوجود چونکہ مسلمانوں کا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی قلت کو کثرت میں بدل دیا اور آپؐ کے نظریہ کو مخالفین پر غالب کر دیا

ظاہر ہے کہ احمدیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متبعین کی مثال دینا ہی اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ احمدی کبھی اپنے دشمنوں کے لئے بغض و کینہ کے جذبات نہیں رکھ سکتے بلکہ جب بھی اللہ تعالیٰ انہیں مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے گا وہ اُن سے وہی سلوک کریں گے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے دشمنوں سے کیا۔ کیا مولانا کے نزدیک وہ سلوک نعوذ باللہ انتقام اور ہلاکت خیزی کا

سلوک تھا؟ کاش مولانا کو یہ یاد ہوتا کہ وہ سلوک لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کا سلوک تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توبخشش عام کا اعلان فرمایا تھا۔ پس جب احمدی اپنے لئے فتح مکہ کی مثال اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اختیار کرتے ہیں تو اس سے اپنے دشمنوں کے لئے ان کی ہمدردی ثابت ہوتی ہے نہ کہ عداوت، عفو ثابت ہوتا ہے نہ کہ انتقام، محبت ثابت ہوتی ہے نہ کہ نفرت!

اس معمولی سی بات کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی فہم و ذکاوت کی ضرورت نہیں۔

تمام دنیا پر غلبہ کا پروگرام

عجیب و غریب مماثلتیں ایجاد کرنے میں مولانا صاحب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کا ذہنِ رسا ایک سے ایک بڑھ کر مماثلت تلاش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ حقیقتاً کوئی وجہِ مماثلت ہو یا نہ ہو، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ نے یہودیت اور احمدیت میں ایک وجہِ مماثلت یہ تلاش فرمائی ہے کہ جس طرح یہودیت تمام دنیا پر بزور غالب آنے کے خواب دیکھ رہی ہے اسی طرح احمدیت بھی سب دنیا کو محکوم بنانے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں:-

قادیانیت بھی — انگریز اور یہود کے زیرِ سایہ پوری دُنیا کو کھا جانے کا عزم رکھتی ہے قادیان کا خلیفہ کھل کر اعلان کرتا ہے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ کب خدا کی طرف سے دُنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے تیار

رہنا چاہیئے"۔ (ص ۶)

اس کے بعد اپنے موقف کی مزید تائید کے طور پر "مولانا" دو مزید اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ایک اقتباس الفضل ۱۶ر جنوری ۱۹۵۲ء کا ہے جس میں خدام الاحمدیہ کے مہتمم تبلیغ کی طرف سے چھپنے والے ایک اعلان کے مندرجہ ذیل الفاظ مولانا نے اخذ فرمائے ہیں:-

"۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کریں کہ اب احمدیت مٹائی نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت کی گود میں آ گرے۔"

اس اعلان کا پہلا حصہ بھی اگر مولانا صاحب درج فرما دیتے تو ہر پڑھنے والا سمجھ جاتا کہ یہاں رعب سے مراد کوئی توپ و تفنگ اور شمشیر و سناں کا رعب نہیں بلکہ احمدی نوجوانوں کو محض تبلیغ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ ہر مذہب و ملت اور ہر فرقۂ اسلام کا حق بلکہ فرض ہے کہ وہ جن نظریات کو برحق اور باعثِ نجات سمجھتا ہے ان کی تبلیغ کرکے دنیا کو ہدایت کی طرف بلائے۔ اس موقف پر کوئی صحیح العقل انسان اعتراض نہیں کرسکتا۔

تیسرا اقتباس احمدیت کے خوفناک عزائم ثابت کرنے کے لئے مولانا نے یہ پیش کیا ہے:-

"ہم احمدی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں"۔
(الفضل ۱۴ر فروری ۱۹۲۲ء)

اس اقتباس کے متعلق ہم صرف اتنا ہی کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ جس

الفضل کا مولانا نے حوالہ دیا ہے وہ دُنیا میں کبھی شائع ہی نہیں ہُوا۔
خدا جانے مولانا نے یہ حوالہ کیسے ایجاد فرمالیا ؟
اب ہم مولانا کے پیش کردہ پہلے اقتباس کی طرف لوٹتے ہُوئے یہ
گزارش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے
جس خطبہ جمعہ سے مولانا نے یہ فقرہ الگ کرکے پیش کیا ہے۔ اگر اس
کے ساتھ کے چند فقرے بھی لکھ دیتے تو صاف کھل جاتا کہ دنیا کے
چارج سے مراد کوئی جابرانہ قبضہ نہیں۔ اور تیار رہنے سے مراد کسی
فوج کشی کی تیاری نہیں بلکہ چارج سے مراد صرف روحانی ذمہ داری ہے
اور تیاری سے مراد دینی تعلیم و تربیت کی تیاری ہے۔ نیز حضرت خلیفۃ
المسیح الثانی رضؓ نے کہیں اشارۃً بھی یہ نہیں فرمایا کہ احمدی بزورِ بازو خود دنیا
کا چارج سنبھالیں گے بلکہ صاف وضاحت فرمائی کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے
اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی یہ سامان پیدا فرمائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح
کے اصل الفاظ حسبِ ذیل ہیں :-

> "پس نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج
> سپرد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیئے
> کہ دنیا کو سنبھال سکیں۔ **تم نے دنیا کو ادھر نہیں لانا
> بلکہ لانے والا خدا ہے۔** اس لئے تمہیں آنے والوں کے
> معلّم بننے کے لئے ابھی سے کوشش کرنی چاہیئے۔"
> (الفضل - ۲۷ر فروری ۱۹۲۲ء)

اس اقتباس میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس آیتِ قرآنی
کے مضمون کی طرف اشارہ ہے :-

"هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَ
دِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ط
وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ۰"

احمدیت کا تو دعویٰ ہی یہی ہے کہ یہ تحریک تمام ادیان پر اسلام کے
غلبہ کے لئے جاری کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سچا اور اٹل وعدہ فرمایا تھا کہ وہ
آپ کو اور آپ کے دین کو تمام دوسرے ادیان پر غالب فرما دے گا۔
اسی وعدہ کے ایفا کا سامان تحریکِ احمدیت کو جاری کرکے فرمایا گیا ہے
لیکن آیتِ مذکورہ میں خدا تعالیٰ نے اس غلبہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی
ہے کہ جس میں اس طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ خود ہی اس غلبہ کے سامان
پیدا فرمائے گا۔ یہ عاجز انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ محولہ بالا خطبہ میں
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ اسی حقیقت کی طرف احمدیوں کی توجہ مبذول
فرما رہے ہیں کہ یہ غلبہ تمہاری طاقت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہوگا۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دنیا کے معلّم بننے کے لئے تیار رہو
اور جب جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوں تو تم اس بات کے
اہل ہو کہ ان کی عمدہ تربیت کرسکو۔ پھر کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں کہ عاجزانہ
نصیحت اور تبلیغ کے ذریعہ تمام دنیا کی اسلامی رنگ میں تربیت کرنے
کے پاکیزہ منصوبہ میں "مولانا" کو اس صیہونی تحریک سے مشابہت نظر
آرہی ہے جو توپ و تفنگ اور جدید ترین مہلک ہتھیاروں کی طاقت
سے عالمِ اسلام ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو مغلوب و مقہور

کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ یہ تو ویسی ہی مماثلت ہے جیسے کہا جائے کہ دیکھو اندھیرا بھی دنیا پر چھا جاتا ہے اور نُور بھی دُنیا پر چھا جاتا ہے لہٰذا نُور بھی اندھیرے کی طرح نہایت خوفناک چیز ہے اور اس سے بچ کر رہنا چاہیئے۔ جیسے نفرت جبر کے ساتھ جسموں کو مغلوب کر لیتی ہے ویسے ہی محبّت قلبی کشش کے ساتھ دلوں کو رام کر لیتی ہے۔ لہٰذا محبّت بھی ویسی ہی گندی اور خبیث چیز ہے جیسے نفرت۔ اس محبّت سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیئے۔ یہ طرزِ استدلال اگر درست ہے تو یہ جناب مولانا صاحب کو ہی مبارک ہو عام انسانی عقل اسے قبول نہیں کرتی۔

آخر میں مولانا سے صرف یہ سوال کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا آپ بھی دیگر مذاہب پر اسلام کے غلبہ کے قائل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیا اس کے لئے عالمی تبلیغ و تربیت کا پروگرام بنانے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں یا محض قائل ہونے پر ہی اکتفا ہے؟ اگر اس ضمن میں عملی پروگرام بنانے کا بھی ارادہ ہے تو کیا آپ کی آخری اور فیصلہ کن عالمی فتح پر بھی جناب کو ایمان ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو فرمایئے کہ کیا آپ کے اس پروگرام کو صیہونیت کے عالمی غلبہ کے منصوبہ سے مشابہت تو نہیں؟ — ذرا سوچ کر دلیل کے ساتھ جواب دیجئے۔

"اسرائیلی سٹیٹ یہود، برطانیہ اور امریکہ کی سازش سے قائم ہوئی اور ربوہ سٹیٹ انگریز گورنر کی سازش سے"

ایک اور مضحکہ خیز مماثلت یہودیت اور احمدیت کے درمیان مولانا کو یہ نظر آئی ہے کہ جس طرح یہود برطانیہ اور امریکہ کی سازش سے اسرائیلی سٹیٹ قائم ہوئی ہے اسی طرح پنجاب کے انگریز گورنر کی سازش سے ربوہ سٹیٹ پاکستان میں قائم ہوئی۔ افسوس! کہ مولانا صاحب کو **سٹیٹ** یعنی **ریاست** اور **ٹاؤن** یعنی **قصبہ** کے درمیان بھی فرق معلوم نہیں اسرائیل ایک باقاعدہ خود مختار ریاست اور حکومت ہے جسے سامراجی طاقتوں نے بزورِ شمشیر نہایت **ظالمانہ** اور **غاصبانہ** طور پر سرزمینِ فلسطین میں قائم کیا اور ربوہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شہر چنیوٹ سے چھ میل مغرب کی طرف دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ ہے۔ یہ رقبہ اتنا چھوٹا ہے کہ گزشتہ زرعی اصلاحات سے قبل کثیر تعداد میں درمیانی درجہ کے زمینداروں کے پاس اس سے بڑھ کر رقبہ موجود تھا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ سب تحصیل لالیاں، تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ صوبہ پنجاب میں حکومت پاکستان اور پنجاب کی عملداری میں اسی طرح شامل ہے جس طرح پاکستان کی ایک ایک انچ دوسری زمین۔ حکومتِ پاکستان کے کل پرزے یہاں اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح پاکستان کے دیگر دیہات قصبات اور شہروں میں۔ اس قصبہ کو ایک آزاد مملکت

کا نام دے کر اسرائیل کی ریاست سے تشبیہ دینا سادگی یا مکاری کی انتہا ہے۔ اگر ایک ہزار ایکڑ پر پھیلے ہوئے اس چھوٹے سے قصبے کو اسرائیل کی طرح آزاد ریاست کہنا جائز ہے تو لاہور شہر کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا روس کی سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک سے تشبیہہ دینا کسی طرح مبالغہ قرار نہیں دیا سکتا۔ باقی رہا عظیم شہر کراچی تو وہ ایک عظیم آزاد برّاعظم سے کم نہیں۔ پس پاکستان میں اگر لاہور جیسی عظیم آزاد ریاست قائم ہو سکتی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی استعماری طاقت کے مشابہ ہے اور کراچی جیسا عظیم تر برِّاعظم سما سکتا ہے تو اسرائیل کے برابر چھوٹی سی ریاست ربوہ پر کیا اعتراض ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں ربوہ کے برابر اتنی آزاد ریاستیں موجود ہیں اور ربوہ سے بہت بڑی اور طاقتور اتنی عظیم مملکتیں موجود ہیں کہ اگر دُنیا میں ان کی نظیر ڈھونڈی جائے تو سب دنیا ختم ہو جائے گی لیکن پاکستان کی آزاد ریاستیں باقی رہیں گی۔ ربوہ کے مغرب میں ایک بڑی ریاست لالیاں ہے۔ مشرق میں کئی گنا بڑی مملکت چنیوٹ ہے۔ ۲۸ میل مغرب میں ریاست ہائے متحدہ سرگودھا واقع ہے اور ۲۸ میل مشرق میں ریاست ہائے متحدہ لائلپور رونق افروز ہے۔ معلوم نہیں کیوں مولانا کو ربوہ کا تِنکا تو نظر آگیا۔ یہ بڑے بڑے شہتیر نظر نہیں آئے۔ جناب مولانا صاحب شاید یہ پڑھ کر ہم پر الزام لگائیں کہ تم اس بات کو مذاق میں ٹال گئے ہو۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مذاق ہے تو اس مذاق کی ابتدا آپ نے فرمائی ہے اور آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر آپ ربوہ کو "سٹیٹ" قرار دینے میں سنجیدہ تھے تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم بھی سنجیدہ ہیں۔ اب یہ ذمہ داری آپ کی ہے کہ ثابت فرمائیے کہ حکومت پاکستان کو لالیاں، چنیوٹ

سرگودھا، لائلپور، لاہور اور کراچی وغیرہ پر کونسی ایسی سیاسی طاقت حاصل ہے جو ربوہ پر نہیں، کیوں ربوہ پاکستان کا حصہ نہیں پاکستان کے وہ کون سے قوانین ہیں جو اس ہزار ایکڑ رقبہ پر اطلاق نہیں پاتے؟ دُنیا میں وہ کون کون سے ممالک ہیں جو "ربوہ سٹیٹ" کو ایک خود مختار ریاست کے طور پر تسلیم کر چکے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ آپ اگر ان کا تسلی بخش جواب دے دیں تو پھر پاکستان کے ہر شہری کا حق ہے کہ حکومتِ پاکستان سے پوچھے کہ "ریاستِ ربوہ" کو کیوں حکومت نے تسلیم کر رکھا ہے اور قومی اسمبلی کے کس فیصلہ کے مطابق پاکستان کا یہ ٹکڑا پاکستان کی عملداری سے نکال کر خود مختار "ریاست ربوہ" کے نام منتقل کیا گیا تھا؟

اس آخری سوال کو مولانا نے خود ہی چھیڑ کر اپنی دانست میں اس کا معقول جواب بھی مہیا فرما دیا ہے۔ چنانچہ اپنے اعتراض کے اندر ہی اس امکانی سوال کا جواب شامل کرتے ہوئے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ ربوہ سٹیٹ کا قیام انگریز گورنر پنجاب کی سازش سے عمل میں آیا تھا۔ گویا نہ تو حکومتِ پاکستان اس میں قصور وار ہے اور نہ اس کا کوئی بس چلتا تھا۔ کیونکہ پنجاب کے انگریز گورنر کے سامنے حکومت کی کچھ پیش نہ جاتی تھی:

ع اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا

اب کون بیٹھ کر مولانا کو معاشرتی علوم اور سیاسیات کی ابجد پڑھائے اور یہ بتائے کہ گاؤں کس کو کہتے ہیں، قصبہ کیا ہوتا ہے، تحصیل، ضلع، صوبہ اور مرکزی حکومت کیا ہوتے ہیں۔ ایک آزاد خود مختار ریاست اور کسی ملک کے ایک گاؤں میں کیا فرق ہے اور نظامِ حکومت کس طرح چلایا جاتا ہے

اب سنیئے جنابِ مولانا صاحب! ربوہ کا قیام اس طرح عمل میں نہیں آیا کہ کسی انگریز گورنر نے حکومتِ پاکستان کی بے خبری میں پاکستان کا ایک خطہ کسی غیر ملکی طاقت کے پاس بیچ دیا ہو بلکہ اس خطۂ زمین کو خریدنے کے لئے جماعت احمدیہ نے ضلع جھنگ کے مسلمان ڈپٹی کمشنر چوہدری مشتاق احمد صاحب چیمہ سے باقاعدہ درخواست کی تھی۔ محکمہ مال کی ضروری کارروائی اور موقعہ کے معائنہ کے بعد جو ڈپٹی کمشنر موصوف نے اس خطۂ زمین کو بے آب وگیاہ اور کلر تھور سے بھرا ہوا بے آباد پایا تو اس کی منظوری کی سفارش جناب کمشنر صاحب ملتان ڈویژن کی خدمت میں کی۔ ان مسلمان کمشنر صاحب نے محکمانہ جائزہ کے بعد یہ کاغذات مشہور ومعروف مسلمان فنانشل کمشنر جناب اختر حسین صاحب کو بھجوا دیئے۔ اس محکمہ کے وزیر کی طرف سے بعض اعتراضات لگ کر کاغذات پھر واپس روانہ ہوئے اور جوابات کے بعد پھر مسلمان وزیر مالیات کے پاس پہنچے جن کی سفارش پر پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے نہ کہ انگریز گورنر نے اس سودے کی منظوری دی۔ اور بالآخر یہ زمین جماعت احمدیہ کے نام فروخت کی گئی۔ **گورنر کا الف سے ی تک اس معاملہ میں کوئی دخل نہ تھا۔** مولانا صاحب کو اپنی سادگی میں یہ پتہ ہی نہیں کہ حکومت کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں اور سرکاری زمین کی خرید وفروخت کے لئے کس طرح کارروائی ہوتی ہے اور پٹواری سے لے کر اوپر تک حکومت کے کتنے کارندے اس میں حصہ لیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب ابھی ہندوستان سے پاکستان تشریف نہیں لائے تھے ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کوئی خفیہ معاملہ نہ تھا۔ احمدیت کے معاند اخبارات نے اس پر بڑا شور ڈالا۔ اداریئے لکھے گئے۔ علماء کے

وفود اربابِ حل وعقد سے ملے۔ حکومت کو اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا۔ اخبار آزاد، زمیندار، احسان اور مغربی پاکستان نے حکومت پر طرح طرح کے اعتراضات کئے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ کسی مخالف نے یہ نہ کہا کہ یہ انگریز گورنر کی سازش ہے اور حکومت ایسے گورنر کو نکال باہر کرے۔ اس سازش کا انکشاف آج ۲۷ سال بعد جناب مولانا بنوری صاحب پر ہی ہوا ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ اگر کوئی اہم دستاویز ایسی ہاتھ آئی ہو جس سے معلوم ہو کہ اس وقت حکومتِ پاکستان ایک انگریز گورنر کے ہاتھ میں کھیل رہی تھی تو ذرا اسے شائع تو فرمایئے!

قارئین ذرا غور فرمائیں کہ دراصل یہ اعتراض احمدیت پر نہیں اس وقت کی مرکزی اور صوبائی حکومت پر ہے پاکستان کے نقطہ نگاہ سے اس اعتراض کا سب سے گھناؤنا پہلو یہ ہے کہ اس اعتراض کا اصل نشانہ تو خود حضرت بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بنتے ہیں جو اس وقت بفضلہٖ تعالےٰ زندہ سلامت موجود تھے۔ معاند اخبارات کے اتنے شدید اور وسیع پراپیگنڈے کے باوجود کیا ان کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی کہ حکومت پنجاب ایک انگریز گورنر کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچ رہی ہے؟ کیا وہ عظیم انسان جو ماؤنٹ بیٹن کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا اور جس کی حق پرستی اور دلیری کا بدترین دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہے خود اپنے مقرر کردہ انگریز گورنر کے ہاتھوں ایسا بے بس و لاچار تھا کہ اس کے عزیز وطن میں اس کی آنکھوں کے سامنے وہ ایک خوفناک ریاست کا سودا کر رہا تھا اور قائداعظم انگلی تک نہ ہلا سکے۔ بلاشبہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بانیٔ پاکستان کے کردار پر ایک سنگین حملہ کے مترادف ہے۔ یا تو یہ حد سے بڑھی ہوئی سادگی اور لاعلمی

کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے یا سخت عناد کی بناء پر۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اصل صورتِ حال کیا ہے۔ آخر پر مخالفینِ احمدیت کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ہم ذیل میں مِن وعن حکومت مغربی پنجاب کا وہ اعلان نقل کرتے ہیں جو اس وقت کے اخبارات کے گمراہ کن پراپیگنڈا کے جواب میں حکومت نے شائع کیا :۔

> لاہور سرکاری اطلاع ۔ ۲۸ر اگست۔ بعض اخبارات میں ایک خبر چھپی ہے جس میں اس بات پر نکتہ چینی کی گئی ہے کہ حکومت مغربی پنجاب نے ۱۰۳۴ ایکڑ زمین ضلع جھنگ میں چنیوٹ کے قریب جماعت احمدیہ کے ہاتھ دس روپے فی ایکڑ کے حساب سے بیچی۔ الزام یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے بعض مسلم انجمنیں اس زمین کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنا چاہتی تھیں۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ جب ضلع دار آباد کاری کی تجویز کو منظور نہیں کیا گیا تو احمدیہ جماعت کو یہ موقعہ کیوں دیا گیا ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ کو اپنی کالونی بنالے۔ یہ رپورٹ گمراہ کن اور اصلیت سے دُور ہے جس زمین کے متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے وہ بنجر ہے اور عرصہ دراز سے اسے زراعت کے ناقابل سمجھا گیا ہے ...... اُسے جماعت احمدیہ کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے حکومت نے اس کا اشتہار اخبارات میں دے دیا تھا اور پورے ایک مہینہ تک

> کسی شخص نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔"

(اخبار انقلاب لاہور ۔ ۳۱ر اگست ۱۹۴۸ء صہ ۶ کالم ۲،۳)

دسویں حیرت انگیز مماثلت

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا الزام عائد کرنے کے معاً بعد جناب مولانا صاحب کو خود ہی یہ خیال آیا کہ انگریز گورنر نے سازش کر کے ربوہ سٹیٹ تو قائم کر دی لیکن بعد کے مسلمان گورنروں نے اسے آج تک قائم کیوں رہنے دیا ؟ اور کیوں بعد میں قائم ہونے والی مختلف مرکزی حکومتوں نے اس بستی سے ایک خود مختار آزاد ریاست کے اختیارات چھین نہیں لئے ؟ قسمت کی یاوری دیکھئے کہ اس پیچیدہ سوال کا حل تلاش کرتے ہوئے "مولانا صاحب کو نہ صرف جواب مِل گیا بلکہ ایک بے نظیر دسویں مماثلت بھی ہاتھ آ گئی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں :۔

> "یہودی سٹیٹ عالم اسلام کے عین قلب میں امریکی امداد کے سہارے زندہ ہے اور اگر اس کا یہ سہارا ختم ہو جائے تو وہ ایک دن بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح قادیانی سٹیٹ بھی اپنے مغربی آقاؤں کے بل بوتے پر عالم اسلام کے مایۂ ناز ملک پاکستان کے عین قلب میں باقی ہے۔ اگر اس کا یہ سہارا ختم ہو جائے تو وہ ایک دن بھی باقی نہیں رہ سکتی۔"

دیکھئے ! مماثلتوں کی دنیا میں کیا بات پیدا فرمائی ہے مولانا صاحب نے !

بھلا ہے کوئی اس کی مثال ؟

یہودی سٹیٹ نے اردگرد کے مسلمان ممالک پر خطرناک حملے کئے یا ایسے حالات پیدا کئے کہ وہ خود ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگئے مگر تین نہایت ہولناک اور تباہ کن جنگوں کے باوجود استعماری طاقتوں کی فوجی امداد کی وجہ سے اسرائیل کو فیصلہ کن شکست نہ دی جا سکی۔ بلکہ ہر جنگ کے اختتام پر پہلے سے زیادہ مسلمان علاقوں کو اس نے غصب کر لیا۔ یہ ہے چند لفظوں میں اسرائیل کے باقی رہنے کی داستان۔

یہ داستان کہ بالکل اسی طرح ربوہ سٹیٹ نے کتنی بار پاکستان، ایران اور افغانستان کی مسلمان ریاستوں پر حملے کئے یا ایسے حالات پیدا کئے جن سے یہ عظیم مسلمان ریاستیں خود ربوہ سٹیٹ کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگئیں۔ جناب مولانا ہی سنائیں کیونکہ کوئی دوسرا پاکستانی شہری خواہ احمدی ہو یا غیر احمدی، اس سنسنی خیز تاریخ کے حالات سے واقف نہیں

مولانا ! مماثلت کو مکمل کرتے ہوئے ازراہِ شفقت اعداد و شمار سے پردہ اٹھاتے ہوئے کیا یہ بھی بتائیں گے کہ ان جنگوں کے دوران ربوہ سٹیٹ کو کتنے ہوائی جہاز کتنی دُور مار توپیں کتنے ٹینک اور کتنی میزائلیں اپنے "مغربی آقاؤں" سے ملیں اور ان جنگوں کے دوران برسرِ پیکار ریاستوں کا کیا جانی و مالی نقصان ہوا۔ نیز اِن جنگوں کے اختتام پر کتنے ایکڑ اور کتنی کنال مزید اراضی ربوہ سٹیٹ نے ان مسلمان ریاستوں سے چھین لی۔ ؟

مولانا کی یہ رپورٹ جب بھی شائع ہوگی اس زمانے کا سب سے زیادہ حیرت انگیز انکشاف ہوگا۔ کیونکہ یہ تاریخ کے عہدِ حاضر کا ایک ایسا باب ہے جس سے روئے زمین پر تمام بنی نوع انسان میں سے مولانا کے سوا

کوئی واقف نہیں۔ یہ تو تھا اس مماثلت کا حال۔ اب رہا یہ سوال کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ حکومتِ پاکستان جب بھی ربوہ سٹیٹ پر فوج کشی کا ارادہ کرتی تھی، مغربی طاقتیں مثلاً انگریز وغیرہ حکومتِ پاکستان کو اسی قسم کی دھمکیاں دے کر اپنے ارادے سے باز رکھتی رہیں کہ اگر تم نے ربوہ سٹیٹ پر فوج کشی کی تو ہم تم پر فوج کشی کر دیں گے۔

یہ معاملہ چونکہ یا تو صرف مولانا کو معلوم ہے یا پھر پاکستان کی گزشتہ اور موجودہ حکومت کے اربابِ حل و عقد کو معلوم ہو سکتا ہے اس لئے جب تک اس منظر سے وہ پردہ نہ اٹھائیں ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ مولانا ایک دینی رہنما ہیں۔ عام اخلاقی اصولوں کے مطابق پاکستان کے ہر شہری کو ان سے یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے شہریوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر مولانا ہماری درخواست کو درخورِ اعتنا نہ سمجھیں تو پاکستان کے دوسرے شہری ان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ تاریخ کے مذکورہ بالا دونوں ابواب سے پردہ اٹھائیں، ہاں ایک شرط ہے کہ اپنے بیان میں اعداد و شمار ضرور دیں اور ان دستاویزات کی تصویریں بھی شائع فرمائیں جن پر بنا کر کے مولانا یہ سنسنی خیز انکشافات فرمائیں گے۔

فلسطین پر قادیانیت اور یہودیت دونوں کا دعویٰ

یہودیت اور احمدیت کے درمیان ایک مماثلت مولانا کو یہ نظر آئی ہے کہ دونوں ہی ارضِ مقدسہ فلسطین کی تولیت کے دعویدار ہیں۔

تعجب ہے کہ مماثلت پیش کرتے ہوئے مولانا یہ بات بھول گئے کہ خود

وہ بھی تو اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ بحیثیت مسلمان فلسطین کی تولیت
کے اولین حقدار ہیں اس لحاظ سے احمدیوں کی باری تو بعد میں آئے گی۔
یہود سے مماثلت کا پہلا شرف تو خود مولانا صاحب کو حاصل ہوگا اگر تو
مولانا صاحب کے نزدیک صورت یہ ہوتی کہ یہود اور احمدی دونوں فلسطین
کی تولیت کے دعویدار ہیں لیکن غیر احمدی ایسا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے تو بات
کسی حد تک بن جاتی لیکن جب خود مولانا صاحب کو بھی تولیت کا حقدار
ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ کس طرح اس مماثلت سے بچ گئے؟ دوسری
چیز قابلِ توجہ یہ ہے کہ اب تک تو مولانا یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش فرما
رہے تھے کہ گویا احمدیت نعوذ باللہ یہودیت ہی کی ایک شاخ ہے اور یہود
اور استعماری طاقتوں کے ہاتھ کا کل پُرزہ ہے۔ اب شوق مماثلت میں مثال
ایسی دے بیٹھے جو یہودیت اور احمدیت کو دو حریفوں اور مدِمقابل کے طور
پر پیش کرتی ہے نہ کہ دوستوں اور حلیفوں کے طور پر۔ جب دونوں بالمقابل
ارضِ مقدس کے دعویدار ہوئے تو اس سے ان میں باہم دشمنی ثابت ہوئی نہ
کہ دوستی!

الفضل کا جو اقتباس مولانا نے اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے
وہ حسبِ ذیل ہے:۔

اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق
نہیں کہ وہ جناب مسیحؑ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی رسالت و نبوّت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لئے مستحق
نہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی رسالت کا انکار کردیا
تو یقیناً غیر احمدی (یعنی مسلمان) بھی مستحقِ تولیت نہیں"
(الفضل: جلد ۹ ع ۳۶)

یہ اقتباس قریباً درست ہے۔ مولانا نے صرف بریکٹ والے الفاظ (یعنی
مسلمان) اپنی طرف سے بڑھائے ہیں اور یہ نوٹ دینا بھول گئے ہیں کہ یہ اصل
عبارت کے الفاظ نہیں بلکہ ناقل کی تشریح ہے لیکن یہ الفاظ بڑھانے پر ہمیں
اعتراض نہیں ہمیں اعتراض یہ ہے کہ اس اقتباس کا اہم حصہ ترک کرکے وہ
نتیجہ نکالا گیا ہے جو منشائے متکلم کے برعکس ہے۔ نتیجہ مولانا صاحب نے یہ
نکالا ہے کہ احمدیوں کے نزدیک یا تو فلسطین کی تولیت کے احمدی حقدار
ہیں یا پھر یہودی، غیر احمدی مسلمان بہرحال نہیں۔ یہ نتیجہ کسی طرح بھی
دیانتداری پر مبنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ الفضل کے جس اداریئے سے یہ
اخذ کیا گیا ہے اس کا وہ حصہ جو مولانا صاحب نے چھوڑ دیا ہے اگر ساتھ
درج کر دیا جاتا تو ادنیٰ عقل کا آدمی بھی وہ نتیجہ نہ نکال سکتا جو مولانا نے
نکالا ہے۔ عبارت کا وہ حصہ حسب ذیل ہے:۔

"ہمعصر مشرق نہایت معقول وجہ بیان کرتا ہے کہ
کیوں بیت المقدس عیسائیوں یا یہودیوں کے مقابلہ
میں مسلمانوں کے قبضہ میں رہنا چاہیئے۔ بیت
المقدس کی تولیت کے سزاوار یہودی اور
عیسائی کسی طرح نہیں ہوسکتے جو صرف ایک پیغمبر
یا دو پیغمبروں کو مانتے ہیں برخلاف مسلمانوں کے جو
لا نفرق بین احد من رسلہ پر ایمان رکھتے
ہیں اور حضرت موسیٰ اور جناب مسیح اور حضرت رسول
اکرمؐ کی تصدیق ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔"

صاف ظاہر ہے کہ اس عبارت کو عمداً اس لئے ترک کیا گیا ہے

تا کہ غلط نتیجہ نکالا جا سکے۔

اس تنقید کے بعد ہم اداریہ کی حیثیت کے بارہ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ محض استدلال کا ایک رنگ ہے ورنہ جماعت کا واضح اور صاف موقف جو ہمیشہ خلیفۂ وقت کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے، یہ رہا ہے کہ سرزمینِ فلسطین فلسطینی مسلمانوں کی ہے اور کسی غیر کا حق نہیں کہ اس کے چپہ پر بھی قبضہ کرے۔ جماعت احمدیہ نے ہمیشہ قیام اسرائیل کی شدید مخالفت کی ہے اور کھلے طور پر اس بارہ میں عربوں کا ساتھ دیا ہے اور آج بھی جماعت کا یہی موقف ہے کہ فلسطین فلسطینی مسلمانوں کا ہے۔ اور استعماری طاقتوں کی بنائی ہوئی صیہونی حکومت ایک غاصبانہ حکومت ہے جس کے قائم رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

اس بارہ میں مزید گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔

"ربوہ سے تل ابیب تک"

مولانا صاحب نے مماثلتوں کی مضحکہ خیز تخیلاتی دنیا سے نکل سے اب الزام تراشی کے ایک نئے باب کا آغاز کرتے ہیں جس کا عنوان ہے "ربوہ سے تل ابیب تک" یہ باب پڑھ کر عدالتوں میں پیش ہونے والے گواہوں کا وہ حلف یاد آجاتا ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح پر ہیں :۔

I shall tell the truth, the whole truth and nothing but the truth.

یعنی میں سچی بات کہوں گا ساری سچی بات کہوں گا اور سچی بات کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔ اگر اس عہد میں truth کی بجائے falsehood

کا لفظ داخل کر دیا جائے تو اس عہد کا بہترین اطلاق اس باب پر ہو سکے گا جو مندرجہ بالا عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ بالکل یوں محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والے نے لکھنے سے قبل یہ عہد کیا تھا کہ :۔

I shall tell the falsehood, the whole falsehood, nothing but the falsehood.

یعنی میں جھوٹ بات کہوں گا تمام تر بات جھوٹ کہوں گا اور جھوٹ کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔

اس باب میں کوئی ایک بات بھی ایسی بیان نہیں ہوئی جو سراسر جھوٹ نہ ہو یا جس میں جھوٹ کی زہر گھول کر جھوٹ میں تبدیل نہ کر دیا گیا ہو۔ بے بنیاد الزام تراشیوں اور افتراء کے اس ناپاک پلندے کا اصل جواب تو وہی ہے جو قرآن کریم نے ہمیں سکھایا ہے کہ :۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ؕ

اور یہی ہمارا اصل جواب ہے لیکن بعض قارئین شاید اس جواب کو کافی نہ سمجھیں اور مزید تبصرہ کے طلب گار ہوں، اس لئے اس حصہ مضمون پر بھی قلم اٹھایا جا رہا ہے۔

(۱) مولانا اپنے رسالہ کے صفحہ ۶ پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور کے اعلان ۱۹۱۷ء کے نتیجہ میں فلسطین میں اسرائیلی سٹیٹ وجود میں آئی جیسے کہ آپ سن چکے ہیں۔ یہودیت اور قادیانیت دونوں کا دعویٰ تھا کہ مسلمان بیت المقدس اور فلسطین

کے مستحق نہیں۔ یہ سوال کہ اسرائیل سٹیٹ کے قیام
میں قادیانی گروہ کا کتنا حصہ ہے، بڑی اہمیت رکھتا
ہے ۱۹۱۷ء میں قیام اسرائیل تک فلسطین پر
قادیانی تبلیغ کی یورش رہی اور قادیانیوں
کے ممتاز افراد سفید سامراج کے گماشتوں کی حیثیت
سے فلسطین میں کام کرتے رہے۔"

اس جھوٹ کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہ کہ انگریز وزیر خارجہ مسٹر
بالفور کے ۱۹۱۷ء کے اعلان کے ساتھ جماعت احمدیہ کی تبلیغی کوششوں
کی تاریخ باندھ کر بزعم خود یہ ثابت کیا جائے کہ یہ تبلیغی کوششیں اسرائیل
کے قیام کی غرض سے انگریز کے ایماء پر شروع کی گئیں نہ کہ اشاعت دین
کے لئے۔ مولانا نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ۱۹۱۷ء میں جماعتِ احمدیہ
کے کون کون سے مبلغین وہاں گئے۔ اسرائیل کے قیام کے حق میں انہوں نے
وہاں کیا پروپیگنڈا کیا؟ کون سا ایسا لٹریچر شائع کیا جس میں قیامِ اسرائیل
کی تائید کی گئی تھی۔ اس وقت کے فلسطینی مسلمانوں نے اس پر کس ردِّ عمل
کا اظہار کیا۔ فلسطین کے کن مسلمان جرائد نے قادیانیوں کے گمراہ کن پراپیگنڈے
کا ذکر کرکے ان کے جواب کی کوشش کی؟ ہندوستان کے کن مسلمان اخبارات
نے اس بات کا نوٹس لیا اور جماعت احمدیہ کی اس مذموم کوشش کی مذمت
کی؟ ان سب سوالات کا جواب ایجاد کرنا مشکل ہو تو کسی ایک سوال کا
جواب ہی مولانا دے دیں مگر دیں ثبوت کے ساتھ ...... ورنہ اللہ تعالیٰ
سے ڈریں اور سوچیں کہ کس صادق و امین رسول کی اُمت کہلاتے ہیں۔
کیا آپ کو ایسی افتراء پردازی زیب دیتی ہے؟

(۲) اصل واقعہ یہ ہے کہ شام کے دارالخلافہ دمشق میں سلسلہ عالیہ احمدیہ
کی طرف سے مولانا جلال الدین صاحب شمس اواخر ۱۹۲۴ء سے فرائض تبلیغ
سرانجام دے رہے تھے۔ اس وقت شام پر فرانسیسی حکومت مسلّط تھی چنانچہ
دمشق کے مشائخ و علماء فرانسیسی حکومت کے رئیس الوزراء کے پیش ہوئے
اور درخواست کی کہ اس احمدی مبلغ کو یہاں سے نکال دیا جائے چنانچہ ان
کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حکومت نے ۹ر مارچ ۱۹۲۸ء
کو آپ کو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر شام سے نکل جائیں۔ جناب
مولانا شمس صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح کو بذریعہ تار اس واقعہ سے مطلع
کرکے راہنمائی چاہی تو آپ کو حیفا جانے کا ارشاد ہوا چنانچہ آپ دمشق
میں ایک مقامی احمدی مسلمان جناب السید منیر الحصینی صاحب کو اپنا
قائمقام بنا کر ۱۰ر مارچ کو حیفا تشریف لے گئے اور اس طرح پہلی مرتبہ فلسطین
میں جماعت احمدیہ کا تبلیغی مرکز قائم ہوا۔

یہ ہے اصل واقعہ کہ جسے مولانا نے سراسر غلط تاریخوں کے ساتھ غلط
انداز میں غلط مقاصد باندھ کر پیش کیا ہے۔ اگر مولانا صاحب اسی کتابچہ
میں یہ بھی تحریر نہ فرماتے کہ انہیں احمدیوں سے بھی بڑھ کر تحریک احمدیت
کے وسیع وعمیق مطالعہ کا موقع ملا ہے تو ہم احتراماً یہ گمان کر سکتے تھے کہ
محض لاعلمی میں سُنی سنائی بات کہہ دی۔ قصور صرف یہ ہے کہ خود تحقیق نہ
فرما سکے۔ لیکن مولانا کے اس فخریہ اعلان کے بعد بھلا اس حُسن ظنی کی گنجائش
بھی ہمارے لئے کیا باقی رہی۔ ہاں صرف اتنی رعائت کی گنجائش ہے کہ
مولانا صاحب جو اپنا معیار مماثلت پیش فرما چکے ہیں، اس کی رُو سے اُن کو
مولانا شمس صاحب کے حیفا جانے کی تاریخ ۱۰ر مارچ ۱۹۲۸ء اور مسٹر بالفور

کے اعلان ۱۹۱۷ء میں ایسی مماثلت نظر آئی کہ دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا۔ آخر کیوں نہ ہو دونوں تاریخوں میں "۱۷" کا عدد مشترک ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی زیارتِ فلسطین

ایک الزام مولانا نے اس باب میں یہ لگایا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۲۴ء میں انگلستان سے واپسی پر اس غرض سے فلسطین رُکے کہ وہاں اسرائیل کے لئے سازشیں کریں۔ گویا قیامِ اسرائیل سے سالہا سال قبل کسی کا فلسطین جانا ہی مولانا کے نزدیک اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ قیامِ اسرائیل کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کافی وشافی "ثبوت" کے بعد مولانا نے یہ ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی کہ ان سازشوں سے پردہ اُٹھاتے جو اس موقع پر وہاں کی گئیں۔ کچھ اخبارات کچھ رسائل کی خبریں دیتے۔ اکابرین فلسطین کے کچھ بیان نقل فرماتے کہ اس طرح جماعت احمدیہ کے امام نے فلسطین ٹھہر کر نعوذ باللہ قیامِ اسرائیل کے لئے یہ یہ کوششیں کیں وغیرہ وغیرہ مولانا نے ان سب کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں فرمائی کہ کسی کا وہاں جانا ہی فی ذاتہ کافی ثبوت ہے۔ علم تجسّس میں اس اندازِ انکشاف کا اضافہ مولانا کا ایک کارنامہ ہے۔ صرف مشکل یہ ہے کہ اس کسوٹی پر اگر ان سب زائرین کو پرکھا گیا جو ۱۹۴۸ء سے قبل فلسطین جانے کے جرم میں ملوث ہو چکے تھے تو لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا اس جرم میں پکڑے جائیں گے۔

۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے آغاز پر جماعت احمدیہ فلسطین کا چندہ

جاسوسی کا ایک اور عظیم کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں:۔

> "۱۹۳۴ء میں خلیفہ قادیان نے دنیا میں تبلیغ کا جال پھیلانے کے لئے جو دراصل انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی شاخ تھی، تحریک جدید کا اعلان کیا اور اس کے لئے مالیات کا مطالبہ کیا تو سب سے زیادہ رقم فلسطین کی قادیانی جماعت نے مہیا کی۔"

کذبِ مرکب کی یہ ایک عمدہ مثال ہے۔ اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کیوں اور کیسے ایک جھوٹ دوسرے جھوٹ کو جنم دیتا ہے۔ پہلا جاسوسی انکشاف تو یہ فرمایا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغِ اسلام کی عالمگیر کوششیں "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ایک ذیلی شاخ تھیں۔ اس بات کا ثبوت پیش کرنے کی حسبِ سابق مولانا نے ضرورت نہیں سمجھی تھی اور اس بارہ میں وہ معذور بھی ہیں۔ جھوٹ بولنا تو ہر اس شخص کے لئے جو خوفِ خدا سے آزاد ہو جائے ایک آسان بات ہے۔ انٹ سنٹ جو دماغ میں آیا، زبان سے نکال دیا۔ ثبوت فراہم کرنا ایک الگ مسئلہ ہے۔ لیکن افسوس کہ مولانا نے جھوٹ کے لئے میدان بھی کون سا چُنا۔ خود آپ تو انہیں توفیق نہیں مل سکی کہ اسلام کے عالمگیر پیغامِ امن وفلاح کو دنیا کے کونے کونے تک

پہنچائیں اور اس کے لئے جان و مال کی قربانیاں پیش کر سکیں۔ ہاں جو غریب جماعت حیرت انگیز جانی و مالی قربانیوں کے ذریعہ سخت مشکلات کے باوجود دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر غلبہ کی خاطر ساری دنیا میں "تبلیغ کا جال" پھیلاتی ہے اس کی راہ میں کانٹے بچھانے کو ہی یہ خدمتِ اسلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کو انگریز کی جاسوسی قرار دینا مولانا صاحب کے نفس قدسی کو ہی زیب دیتا ہے گویا تبلیغ اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک سے بھی لوگوں کو یہ کہہ کر بدظن کیا جا رہا ہے کہ یہ تبلیغ کی نہیں جاسوسی کی ایک تحریک ہے۔ پراپیگنڈہ کا یہ طریق یہودیت کے کھلے کھلے عناصر اپنے اندر رکھتا ہے اور دراصل مماثلت اس کو کہتے ہیں۔ یہودیت کا یہ معروف طریق ہے کہ اسلام کی مذہبی یا سیاسی حمایت میں جو بھی مؤثر تحریک دُنیا میں اُٹھتی ہے اسے ناکام اور بدنام کرنے کے لئے اس قسم کا لغو اور لچر پراپیگنڈہ کرواتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں کچھ آگے چل کر مزید گفتگو کی جائے گی فی الحال ہم مولانا سے صرف اتنی گزارش کریں گے کہ آپ کی طرزِ فکر قابلِ رحم ہے۔ اسلام کی حمایت میں ایک عالمگیر مہم جاری کرنے کی توفیق بھی آپ کے نزدیک کسی مسلمان کو نہیں بلکہ انگریز ہی کو نصیب ہوئی۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ قلبِ عیسائیت میں جماعت احمدیہ کے ذریعہ مساجد بنائے۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ دشمنانِ اسلام کے رد اور کسرِ صلیب کے لئے احمدیت سے ایسا شاندار لٹریچر تیار کروائے کہ دنیائے عیسائیت میں تہلکہ مچ جائے۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں جماعتِ احمدیہ کے ذریعہ قرآن کریم کے تراجم کروائے اور ان کی وسیع اشاعت کا انتظام کرے انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ یورپ اور امریکہ اور افریقہ کے متعدد ممالک میں

سینکڑوں مساجد تعمیر کروائے اور ایسا انتظام کرے کہ احمدی مؤذن پانچ وقت ان مساجد سے آوازِ اذان بلند کرتے ہوئے یہ اعلان کرے کہ :-

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

پھر انگریز ہی کو یہ توفیق بھی نصیب ہوئی کہ افریقہ میں تیزی سے پھیلتا ہوا عیسائیت کا سیلاب روک کر کھڑا ہو جائے اور جماعت احمدیہ کے مبلغین کو ایک بنیان مرصوص کی طرح اس سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جانے کا اذن دے۔ یہی نہیں بلکہ انگریز کے اشارہ پر جماعت احمدیہ کے مجاہدین اس سیلاب کا منہ توڑ دیں اور رُخ پھیر کر سمٹنے پر مجبور کر دیں۔ جہاں دس افریقین عیسائیت قبول کرتے تھے وہاں ایک رہ جائے جہاں افریقین مسلمان مرتد ہوتے تھے وہاں اس کے بجائے دس عیسائی مشرف باسلام ہونے لگیں۔

واہ! کیا توفیق پائی ہے انگریز نے خدمتِ اسلام کی۔! واللہ کیا توفیق پائی ہے۔ مولانا کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کا محکمہ جاسوسی مشرف باسلام ہو چکا ہے اور اپنے تابڑ توڑ حملے عیسائیت پر کر رہا ہے کہ دنیائے عیسائیت چلا اُٹھی ہے۔

مولانا احمدیہ لٹریچر کے وسیع و عمیق مطالعہ سے مستفید ہو چکے ہیں۔ اسلئے مندرجہ بالا تمام امور سے بھی واقف ہی ہوں گے۔ البتہ یاد داشت تازہ کرنے کی خاطر عیسائی اخبارات کے بعض اقتباسات پیش ہیں جو جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں بکثرت نقل ہو چکے ہیں۔ امریکن رسالہ "لائف" نے لکھا :-

"اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوت
کے آثار دن بدن نمایاں ہو رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ
پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعت احمدیہ کے نام
سے موسوم ہے اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور
یورپ، افریقہ، امریکہ اور مشرق بعید کے ممالک میں اس
کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں .... آجکل عیسائی
مشنری اور مسلمان مبلغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے
اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ حالت یہ
ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے
مقابلہ میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔"

(لائف ۵ر اگست ۱۹۵۵ء)

ایک امریکن پادری Fack Manddsolm نے اپنی کتاب
"God, Allah & Juju" میں لکھا :۔

"میں متعدد بار اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ اسلام کی
روز افزوں ترقی میں احمدیت کے اثرات اس طرح
داخل ہوئے ہیں کہ گویا یہ تانے بانے میں داخل ہیں
یہ بات بغیر تردّد کے کہی جا سکتی ہے کہ احمدیہ جماعت
سب سے زیادہ کام کرنے والی اور سب سے زیادہ
وسیع اسلامی جماعت ہے جو کہ افریقہ میں کام کر رہی ہے"

الحاج عبدالوہاب صاحب عسکری عراقی نمائندہ موتمر اسلامی جماعت
احمدیہ کی تبلیغی مساعی پر ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں :۔

"جماعت احمدیہ کے افراد نے دینِ اسلام کی جو خدمات
سرانجام دی ہیں ان میں تبلیغی لحاظ سے وہ ساری
دنیا پر فوقیت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ لوگ اعلائے
کلمۃ الدین کے لئے ہر قسم کے ممکن ذرائع اختیار کرتے
ہیں۔ ان کے بڑے بڑے کارناموں میں ... وہ مسجدیں
ہیں جو انہوں نے امریکہ، افریقہ اور یورپ کے مختلف
شہروں میں بنائی ہیں اور یہی وہ سنت ناطقہ ہے جس
کو لے کر وہ کھڑے ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ سے
اسلامی خدمات بجا لا رہے ہیں اور اس میں کوئی شک
نہیں کہ اسلام کا درخشندہ مستقبل انہیں سے وابستہ ہے"

(مشاہداتی فی سماء الشرق۔ ص۴۳، ۴۵)

اخبار "الفتح" قاہرہ لکھتا ہے :۔

"میں نے دیکھا ہے کہ قادیانی تحریک ایک حیرت انگیز
چیز ہے۔ قادیانیوں نے تقریری اور تحریری طور پر
مختلف زبانوں میں اپنی آواز بلند کی ہے .... ایشیا اور
یورپ، امریکہ اور افریقہ میں ان کے تبلیغی مراکز قائم ہو
گئے ہیں جو ہر طرح سے علمی اور عملی طور پر عیسائیوں
کے مشنوں کا ہم پلّہ ہیں لیکن تاثیر اور کامیابی کی رو
سے ان میں اور مسیحیوں میں کچھ نسبت نہیں کیونکہ قادیانی اسلامی
حقائق اور حکمتوں کی وجہ سے عیسائیوں سے بدرجہا زیادہ
کامیاب ہیں۔" (الفتح قاہرہ ۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ)

اخبار الجزیرہ اردن لکھتا ہے :-

"ہم اس بات کا اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ
جماعت احمدیہ کے مبلغین بڑی ہمت اور تندہی سے اپنا
کام کرتے ہیں اور اسلام کے پھیلانے کے لئے بہت
جدوجہد کر رہے ہیں۔ افریقہ کے غیر آباد علاقوں اور وسط
افریقہ اور امریکہ میں ان کی کوششیں اور بھی زیادہ ہیں"

(اخبار الجزیرہ۔ عمان۔ اردن۔ ۱۲ر جون ۱۹۴۹ء)

روزنامہ نوائے وقت لاہور لکھتا ہے :-

"افریقہ میں اگر کوئی پاکستانی جماعت .... بطور مشنری کام
کر رہی ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہے"

(نوائے وقت۔ ۱۲ر اپریل ۱۹۶۰ء)

یہ تو تھا "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی شاخ" کی عالمگیر سرگرمیوں کا وہ حال جو ہم جانتے ہیں اور جس سے دنیا روشناس ہے اب مولانا کا فرض ہے کہ ان جاسوسی سرگرمیوں کا کچھ حال بیان فرمائیں جو تمام دنیا میں جماعت احمدیہ نے بقول ان کے سر انجام دیں لیکن ایک مرتبہ پھر مودبانہ گزارش یہ ہے کہ مولانا بیٹھے بیٹھے اپنے زرخیز دماغ سے کہانیاں بُن بُن کر پیش نہ کریں۔ ایسے ٹھوس دلائل اور بین ثبوت کے ساتھ بات کریں کہ عام سیدھی سادھی عقل انسانی انہیں قبول کر سکے۔

اب مولانا کے اس الزام کے دوسرے حصہ پر نظر فرمایئے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عالمگیر تبلیغی نظام انگریز کے ایماء پر جاری ہوا تھا، تو بے چارے غریب احمدیوں سے مالی مطالبات کیوں کئے گئے۔ اچھی جاسوسی

ہے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر خدمتیں کرو اور پیسے بھی اپنی جیب سے خرچ کرو، بھوکے رہو، تکلیفیں اٹھاؤ، سادہ زندگی اختیار کرو، تعیش کی زندگی کو خیرباد کہو، سینما بینی اور تھیئٹر سے توبہ کرو، ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالو، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹو، زیورات اور گوٹہ کناری کے کپڑے بنانا چھوڑ دو۔ غرضیکہ پیسہ پیسہ بچا کر اس غرض سے پیش کر دو کہ "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی شاخ" دنیا میں نشوونما پائے؟ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مولانا کے اس طرزِ فکر پر۔ یہ اس قدر لغو تصور ہے کہ خود مولانا صاحب کی توجہ بھی اس طرف منتقل ہوگئی اور سوچا کہ میں آخر اس الجھن کا کیا حل پیش کروں ظاہر ہے کہ جھوٹ سے پیدا شدہ الجھن کا حل جھوٹ ہی سے ہو سکتا ہے جھوٹ تو بہرحال جھوٹے بچے ہی دے گا۔ چنانچہ مولانا نے اس مسئلہ کا حل یہ تجویز فرمایا کہ انگریز نے جماعت احمدیہ کو جو پیسہ دیا وہ جماعت فلسطین کی معرفت۔ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ انگریز نے براہِ راست یا یہود کی معرفت جماعت احمدیہ فلسطین کی وساطت سے قادیان یہ روپیہ بھجوایا یہ خود مولانا ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں :-

"سب سے زیادہ رقم فلسطین کی قادیانی جماعت نے
مہیا کی"

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ یہ خطیر رقم جو فلسطین سے خلیفہ قادیان کو وصول ہوئی کہاں سے آئی اور کس نے مہیا کی؟ کیا یہ رقم ان معدودے چند افراد نے مہیا کر دی تھی جو اسلام سے مرتد ہو کر قادیانی امت میں شامل ہوگئے تھے؟ کیا ان کی مالی حیثیت اس قدر مستحکم تھی کہ وہ اپنے علاقے میں وسیع اخراجات برداشت کرنے کے بعد ایک بہت بڑی رقم خلیفہ

قادیان کی خدمت میں نذر کر دیتے ؟ جو شخص واقعات کو عقل و فہم کی
میزان میں تولنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اس کا جواب نفی میں دے گا
مولانا نے یہ تو بتا دیا کہ سب سے زیادہ رقم فلسطین کی قادیانی جماعت
نے مہیا کی اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ رقم "خطیر" تھی اتنی خطیر کہ فلسطین کی
غریب جماعت اپنے وسائل سے ادا نہ کر سکتی تھی اب جاسوسی کا صرف
یہ مرحلہ رہ گیا کہ یہ رقم تھی کتنی ؟ اس کا حل تلاش کرنے کے لئے جو راہ
انہوں نے اختیار کی ہے وہ تنوع میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور جاسوسی
کی دنیا میں نمایاں حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

احمدیت کے ایک معاند محمد محمود الصواف صاحب کی ایک کتاب کا
اقتباس پیش کرتے ہوئے اُن کی طرف حسب ذیل عبارت منسوب کرتے ہیں
اصل کتاب تو ہم نے نہیں دیکھی لیکن قصہ مختصر کرنے کے لئے مولانا پر اعتماد
کرتے ہوئے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ الصّواب صاحب نے یہ لکھا ہوگا:۔

> "مجھے باوثوق ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہاں حبشہ
> کے "عدیس ابابا" میں اُن کا ایک مضبوط مشن کام کر رہا
> ہے جس کا سالانہ میزانیہ ۳۵ ملین ڈالر ہے اور یہ مشن
> وہاں اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا ہے۔"

یہ اقتباس پڑھ کر وہ مثل یاد آ گئی کہ "چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں،
بڑے میاں سبحان اللہ!" یہ محمود الصواف صاحب تو جناب مولانا صاحب
کے بھی بڑے میاں معلوم ہوتے ہیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ "عدیس ابابا میں ایک
مضبوط مشن" بجٹ "۳۵ ملین ڈالر" یعنی ۳۵ کروڑ روپے اور اسلام کا
مقابلہ کرنے کے لئے ۔۔!

واقعہ کیا ہے ؟ واقعہ یہ ہے کہ کبھی جماعت احمدیہ کی طرف سے عدیس ابابا
میں کوئی مشن قائم نہیں ہوا۔ ہاں ایک مخلص دوست ڈاکٹر نذیر احمد صاحب
کسی زمانے میں وہاں نجی ملازمت کے سلسلہ میں متعین تھے اور عیسائیوں
میں تبلیغ کرنے کا خاص جوش رکھتے تھے۔ اگر انہیں سلسلہ کا آنریری مبلغ قرار
دیا جائے تو الگ بات ہے ورنہ کوئی باقاعدہ تبلیغی مشن نہ وہاں کبھی قائم
ہوا نہ اس وقت ہے۔ رہی ۳۵ کروڑ روپے سالانہ خرچ کرنے کی بات
تو گپ کی کوئی حد تو مقرر نہیں۔ مصنف موصوف چاہتے تو ۳۵ ارب یا
۳۵ کھرب روپیہ فرما دیتے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے۔ تحقیق بسیار
کے باوجود ہمیں جماعت احمدیہ کے عدیس ابابا کے بجٹ کا کوئی ذکر کہیں
نہیں ملا۔ اگر مولانا کو الصّواب صاحب پر ایسا ہی اعتماد ہے تو انہیں چاہئے
کہ ایسے کسی بجٹ کے وجود کا ثبوت مہیا فرمائیں۔ ہاں جہاں تک علمی درایت
کا تعلق ہے یہ الزام بالبداہت مضحکہ خیز ہے۔ جناب مولانا کو اقتصادیات
کی الف ب سے بھی کوئی واقفیت معلوم نہیں ہوتی۔ اُس زمانہ کے
مقابل پر آج تو روپیہ کی کوئی قیمت ہی نہیں رہی لیکن حبشہ جیسے پسماندہ
ملک میں اگر آج بھی ۳۵ کروڑ روپیہ پروپیگنڈا اور اشاعت لٹریچر پر
خرچ کیا جائے تو ایک شور مچ جائے۔ اس زمانہ میں تو اس مبینہ روپے
نے وہاں قیامت برپا کر دی ہوگی۔ اب قسم ہے مولانا کو کہ اگر وہ یا اُن
کے مصنّف سچے ہیں تو مطلع فرمائیں کہ جس زمانہ کا بھی واقعہ ہے اس زمانہ
میں عدیس ابابا میں جماعت احمدیہ نے یہ روپیہ کس طرح خرچ کیا ؟ کتنے اخبار
جاری کئے ؟ کتنا لٹریچر شائع کیا اُس کا موضوع کیا کیا تھا اور نعوذ باللہ اسلام
کے خلاف وہاں کون کون سے مضامین کس کس تعداد میں شائع ہوئے۔ اس

زمانہ کے اخبارات میں ان کوششوں کے کن الفاظ میں تذکرے ہُوئے پھر یہ کوششیں کامیاب بھی ہوئیں یا نہیں ؟ اور عدیس ابابا کے مسلمانوں کو ان سے کیا کیا نقصانات پہنچے ؟ ان مسلمانوں نے اس کے خلاف کوئی آواز بلند کی یا نہیں —؟

کچھ تو پتہ چلے کہ یہ روپیہ خرچ ہوّا تو کیسے اور کہاں کہاں ہوّا —؟ لیکن یہ سوال تو ہم نے خواہ مخواہ اٹھا دیئے۔ عدیس ابابا والی گپ تو مولانا صاحب نے جملہ معترضہ کے طور پر فرمائی تھی جیسے دو لقموں کے درمیان کسی خوش خور کا ڈکار ہو۔ اصل مقصد تو فلسطین کے بجٹ کی تعیین تھی۔ چنانچہ اس موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہُوئے مولانا صاحب اپنے تجسّس کا یہ شاہکار کارنامہ ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں :۔

"۳۵ کروڑ روپے سالانہ تو صرف حبشہ کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے صرف کئے گئے اب غور کیا جاسکتا ہے فلسطین کی تباہی و بربادی کے لئے قادیان کا تیس سالہ بجٹ کیا ہوگا اور یہ ساری رقم کہاں سے آئی ہے۔"

اگر یہ ڈرامائی انکشاف مولانا صاحب کسی بین الاقوامی جاسوسی کانفرنس میں پیش فرماتے تو یقیناً تالیوں کی آواز سے سارا ہال گونج اُٹھتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تالیوں کی آواز بالآخر قہقہوں کے بلند تر شور میں ڈوب جاتی۔ سمجھ نہیں آتی کہ مولانا تمسخر فرما رہے ہیں یا تمسخر اُن سے سرزد ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کے نزدیک جماعت احمدیہ فلسطین کا سالانہ بجٹ عدیس ابابا کے مبینہ بجٹ سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس بات کی تعیین

مولانا نے پڑھنے والے پر چھوڑ دی ہے کہ کتنا زیادہ ہوگا۔ ایک بات تو بہر حال ثابت ہوگئی وہ خطیر رقم جو ۳۵-۱۹۳۴ء میں خلیفہ قادیان کی خدمت میں پیش کی گئی ۳۵ کروڑ سے کہیں زیادہ تھی اور تیس سال میں تو یہ کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہوگی۔ اگر کہیں زیادہ تھی تو پچاس کروڑ سالانہ سے تو کسی صُورت میں کم نہ ہوگی۔ کاش مولانا کو توفیق ملے کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کے کسی اجتماع میں یہ عظیم انکشاف فرما سکیں۔ پھر دیکھیں کہ وہ مولانا کو کیا سمجھتے ہیں۔

یہ پچاس کروڑ روپے اگر ہر سال اتنا ہی رہے تو تیس سال میں پندرہ ارب روپیہ بنتا ہے۔ یہ کتنے احمدی مبلغوں نے کس کس طرح خرچ کیا؟ اور اس سے فلسطین کی اقتصادیات پر کیا کیا اثرات مرتب ہُوئے —؟ یہ داستان چونکہ صرف مولانا صاحب کو معلوم ہے اس لئے وہی اپنی کسی آئندہ تصنیف میں پیش فرمائیں گے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے اعلان کے بعد جماعت حیفا فلسطین کا چندہ -/۴۰ شلنگ تھا جو تقریباً تین صد روپے بنتا ہے اور اس میں سے نقد ادائیگی -/۵ شلنگ تھی۔ تحریک جدید کے طبع شدہ لٹریچر میں یہ اعداد و شمار محفوظ ہیں۔ ہاں کبابیر کی جماعت کے بچوں کا چندہ بھی شامل کر لینا چاہیئے یہ زرِ خطیر مبلغ آٹھ شلنگ تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہُوئے حضرت امامِ جماعت احمدیہ نے فرمایا :۔

"بیرونی ممالک میں سب سے پہلے بلادِ عربیہ کے احمدیوں نے تحریک جدید پر لبیک کہا اور نہ صرف چندہ کے وعدے بھجوائے بلکہ ان کا ایک حصہ نقد بھی بھجوایا۔ چنانچہ شروع فروری ۱۹۳۵ء تک جماعت حیفا کی طرف سے

چار سو شلنگ کے وعدے موصول ہُوئے جن میں سے پچھتر
شلنگ کی رقم بھی پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں مدرسہ احمدیہ کبابیر
(حیفا) کے احمدی بچوں نے بھی آٹھ شلنگ چندہ بھجوایا"

حضرت خلیفة المسیح الثانی رضی نے جماعت احمدیہ حیفا
کے افراد خصوصاً حیفا کے احمدی بچوں کے اس اخلاص
اور قربانی کی بہت تعریف فرمائی اور دعا دی کہ :۔

"اللہ تعالیٰ ان بچوں کے اخلاص کو قبول کرے اور
دنیا میں چمکنے والے ستارے بنائے کہ ان کی روشنی سے
فلسطین ہی نہیں بلکہ سب دنیا روشن ہو اور یہ احمدیت
کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب
پانے والے اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کے قریب لانے
والے ہوں۔ یہ بھی یوسف ؑ کے بھائیوں کی طرح بضاعة
مزجاة لائے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے بھی وہی سلوک
کرے اور انہیں اسلام کا یوسفِ گم گشتہ مِلا دے جسے
یہ اپنے یعقوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لاکر
اپنی قوم کی گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں۔"

(الفضل ۷ر فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳-۴)

مولانا صاحب کے معیارِ مماثلت کی رُو سے شاید ان دونوں اعداد و شمار
میں کوئی خاص فرق نہ ہو لیکن ایک عام حساب دان کے نزدیک اصل بجٹ
یعنی چار صد کچھ روپے اور مولانا کے فرضی ۴۹ کروڑ ۹۹ لاکھ ۹۹ ہزار چھ
صد کچھ روپے کا بنتا ہے۔ اندازہ فرمایئے کہ تیس سالوں میں یہ فرق کتنا بڑھ

چکا ہوگا۔

یہ سراسر فرضی بجٹ بنانے کے بعد جس میں ۲۵ کروڑ روپے سالانہ سے
بھی زیادہ جھوٹ بولا گیا ہے۔ ایک مزید جھوٹ بولنا بھی لازمی تھا کہ صرف ایک
مبلغ تو اتنی خطیر رقم خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے مبلغین کی تعداد بھی
بڑھانی لازمی تھی۔ چنانچہ معین تعداد دیئے بغیر مولانا یہ تاثر دینے کی کوشش
کرتے ہیں کہ بھاری تعداد میں جماعت احمدیہ کے مبلغین ۱۹۱۷ء سے لے کر
۱۹۴۸ء تک فلسطین میں کام کرتے رہے۔ فرماتے ہیں :۔

"دوسرا اہم ترین سوال یہ ہے کہ ان تیس سالوں میں
(۱۹۱۷ء - ۱۹۴۸ء) قادیانیت کا تبلیغی زور اس خطہ
پر کیوں مرتکز رہا اور قادیانی سرگرمیوں کا یہی سب
سے بڑا اڈہ کیوں بنا رہا جس کے نتیجہ میں فلسطینیوں کی
خانہ ویرانی اور اسرائیل سٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔
اور پھر چُن چُن کر وہاں قادیان کے سازشی دماغوں
کو کیوں جمع جاتا رہا؟"

مولانا! اہم ترین سوال دراصل یہ ہے کہ کیا آپ کا مذہب اسلام نہیں
ہے اور کیا آپ جھوٹ کو شیر مادر کی طرح حلال جانتے ہیں؟ نہ تو ۱۹۱۷ء
میں جماعت کا کوئی مشن فلسطین میں قائم ہوا نہ اس خطہ میں جماعت احمدیہ
کا کوئی تبلیغی زور مرتکز رہا۔ نہ فلسطین جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی "سرگرمیوں"
کا سب سے بڑا اڈہ بنا رہا۔ نہ قادیان میں کوئی سازشی دماغ تھے نہ کبھی ان
کو چُن چُن کر فلسطین میں جمع کیا گیا اور اسرائیل کے قیام سے جماعتِ احمدیہ
کا تعلق تو درکنار جماعت احمدیہ کی تمام تر کوششیں تو ہمیشہ فلسطینی مسلمانوں

کے حق میں اور یہودی غاصبانہ قبضہ کے خلاف رہی ہیں۔ کیا آپ ادنیٰ سا بھی
خدا کا خوف نہیں رکھتے کہ اسلام کا سچا اور مقدس نام لے کر افترا پردازی اور
جھوٹ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہو؟

۱۹۴۸ء میں ربوہ اور اسرائیل کا رابطہ

یہ مختصر رسالہ جو "بارشاد مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شائع ہوا ہے"
جھوٹ کا ایک امڈا ہوا دریا ہے جو اس چھوٹے سے کوزہ میں بند ہے۔ جھوٹ
کے ساتھ جھوٹ پیوستہ لہریں مارتا ہوا بے تکان رواں دواں ہے۔ اس
صدی میں کم ہی ایسی مایہ ناز تصانیف شائع ہوئی ہوں گی جن میں اِس
بے ساختگی کے ساتھ جھوٹ بوئے گئے ہوں۔

اسرائیل کو قائم کرنے کے بعد اور ربوہ کے چھوٹے سے قصبہ کو پاکستان
کے عین قلب میں ایک آزاد مطلق العنان ریاست قرار دینے کے بعد اب
لازم ہے کہ دونوں "ریاستوں" کے تعلقات بھی قائم کئے جائیں۔ چنانچہ وہ
تعلقات مولانا اس طریق پر قائم فرماتے ہیں۔ لکھا ہے:-

"ہم دیکھتے کہ ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں "اسرائیل" کا اعلان ہوا
ٹھیک انہی دنوں میں قادیانی گروہ کی "ربوہ سٹیٹ" قائم
ہوئی اور سب سے پہلے ربوہ سٹیٹ کا اسرائیلی سٹیٹ
سے رابطہ قائم کیا گیا۔" (ربوہ سے تل ابیب تک ص۱)

اس کے بعد مکرم محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سابق وزیر خارجہ
پاکستان پر الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۳ء تک پاکستان کا وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان

قادیانی رہا.... اُسی کے عہدِ وزارت میں ربوہ سٹیٹ
کا اسرائیل سے رابطہ مستحکم ہوا۔"

دراصل یہ دونوں الزام ایک ہی جھوٹ کی دو شاخیں ہیں کیونکہ نہ تو
کبھی "ربوہ سٹیٹ" قیام عمل میں آیا۔ نہ کبھی "ربوہ سٹیٹ" کا اسرائیل سے
رابطہ قائم ہوا۔ نہ کبھی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کسی بھی حیثیت
میں کبھی اسرائیل کے ساتھ خود رابطہ پیدا کیا نہ اور کسی کا رابطہ کروایا۔

لیکن مولانا صاحب کا یہ جھوٹ صرف جماعت احمدیہ کے خلاف افترا
پردازی تک محدود نہیں بلکہ پاکستان اور حضرت بانیٔ پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ
پر بھی ایک ناپاک حملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ مسخ کی
جارہی ہے۔ اس الزام کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ
قائداعظم محمد علی جناحؒ بانی پاکستان نعوذ باللہ اس حد تک پاکستان کے
دشمن تھے کہ ایک غدار کو اپنا معتمد وزیر خارجہ بنایا۔ وہ نعوذ باللہ اس حد تک
یہود نواز تھے کہ اس "غدار" کو فلسطین کی حمایت میں اقوام متحدہ کے سامنے
عربوں کا معاملہ پیش کرنے پر مامور کیا تاکہ یہودیوں کے ایجنٹ کے طور پر
فلسطینی مسلمانوں کے مفاد کو سبوتاژ کرے۔ پھر وہ نعوذ باللہ اس حد تک
پاکستان دشمن اور بھارت نواز تھے کہ اس غدار کے سپرد مسئلہ کشمیر کیا تاکہ
پاکستانیوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر بھارت کے ہاتھ مضبوط کرے۔ پھر وہ
نعوذ باللہ اس حد تک پاکستان سے عناد رکھتے تھے کہ صرف اسرائیل کی امداد
کو مسلمانوں کی غارت گری کے لئے کافی نہ سمجھا بلکہ جب تک پاکستان کے
عین قلب میں ایک آزاد مطلق العنان "یہودی نواز ریاست" قائم نہ کرلی اس
وقت تک اس دنیا سے رخصت نہ ہوئے مگر افسوس کہ اُن کے وصال سے

بھی پاکستان اور اہلِ اسلام کو کوئی فائدہ نہ پہنچا اور اس کے بعد بھی قائدِ ملّت لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین اور دیگر مسلم لیگی رہنما مسلسل اس ملک دشمن اور اسلام دشمن پالیسی پر گامزن رہے اور ربوہ سٹیٹ کو مضبوط تر کرنے میں کسی دوسرے سے پیچھے نہ رہے اور اسرائیل کی حمایت میں بدستور ظفراللہ خان کو وزیر خارجہ بنائے رکھا اور کھلی ڈوری چھوڑ دی کہ عالمِ اسلام کے خلاف خوفناک سازشیں کرتے رہیں۔

مولانا کے اعتراض کو ذرا پلٹ کر جب اس پہلو سے دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بھارت کا کوئی ایجنٹ پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے اور معمارِ پاکستان کے بے داغ کردار کو داغدار کرنے کے لئے یہ شاطرانہ چالیں چل رہا ہے کہ بظاہر تیروں کا رُخ جماعت احمدیہ کی طرف ہے لیکن درحقیقت ان تیروں سے پاکستان کا سینہ چھلنی ہو رہا ہے۔

ہم بحیثیت پاکستانی شہری اس مکروہ الزام تراشی کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے حکومت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ سنجیدگی سے اس صورتِ حال کا جائزہ لے اور ان اشتہارات پر نظر ڈالے جو ۱۹۷۴ء کی احمدیہ دشمن تحریک کے ہنگامہ خیز دنوں میں پاکستان کے مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہے اور جن میں جناب بنوری صاحب کے پُراسرار ماضی اور بھارت کے ساتھ ان کے رابطہ پر سے پردہ اٹھایا گیا تھا۔ انسانی شرافت سے بعید ہے کہ بغیر تحقیق کے کسی الزام کو تسلیم کر لیا جائے لہٰذا ہمارا یہ موقف نہیں کہ بلاتحقیق ان الزامات کو مان لیا جائے۔ ایک مسلمان تو عام انسانی قدروں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لئے ہم ہرگز الزامات کو بغیر تحقیق تسلیم کرنے کے حق میں نہیں لیکن جبکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مولانا بنوری احمدیہ دشمنی

کے پردے میں پاکستان اور بانیٔ پاکستان پر نہایت سنگین اور ناپاک حملے کر رہے ہیں تو کم از کم اراکین حکومت پر یہ فرض ضرور عائد ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ماضی کی اچھی طرح چھان بین کریں۔

جہاں تک جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفراللہ خان کے خلاف اس الزام تراشی کے پس منظر کا تعلق ہے۔ اس بارہ میں ہم ۱۹۵۳ء کی انکوائری رپورٹ کے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں بھی یہ تحریک مذہبی نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کی تھی اور اس کی باگ ڈور اس وقت بھی اُن طاقتوں کے ہاتھ میں تھی جو کبھی بھی پاکستان کی خیرخواہ نہیں رہیں۔

حوالہ جات رپورٹ تحقیقاتی عدالت

(۱) "احرار کے رویّہ کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کا طرزِ عمل بطور خاص مکروہ اور قابلِ نفریں تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک بنیادی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلہ کو استعمال کر کے اس مسئلہ کی توہین کی۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۷۷)

(۲) چوہدری ظفراللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات سرانجام دیں اس کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا بیّن ثبوت ہے۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص ۲۵۹)

معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کے پانی کی طرح اس رسالہ کے جھوٹ مصنف کی پیاس بجھانے کی بجائے بھڑکاتے چلے جاتے ہیں اور ھَلْ مِنْ مَزِیْد کا نہ ختم ہونے والا مطالبہ جاری ہے۔ اس سراسر جھوٹی کہانی میں جھوٹ کے مزید رنگ بھرتے ہوئے مولانا پر اسرار انکشاف فرماتے ہیں کہ "ربوہ سٹیٹ اور اسرائیل کے درمیان جب باقاعدہ تعلق قائم ہوا تو ابتدا میں اسے صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن بالآخر جب یہ راز طشت ازبام ہوا تو متضاد تاویلیں کی جانے لگیں۔"

اس افترا پر ہماری ایک مرتبہ پھر یہی گزارش ہے کہ نہ تو ربوہ سٹیٹ کا کوئی وجود ہے نہ ربوہ کی طرف سے کسی بھی حیثیت میں کبھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کئے گئے۔ ہاں احمدیہ تبلیغی مشن فلسطین میں ۱۹۲۸ء سے قائم ہے جبکہ اسرائیل کا ابھی کوئی وجود نہ تھا۔ یہ تبلیغی مشن فلسطین میں اسی طرح قائم ہوا جیسے تمام دنیا کے متعدد دوسرے ممالک میں تبلیغی مشن قائم ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ غیر مسلموں میں تبلیغ اِن مشنوں کا طرّۂ امتیاز ہے اور ہمیں قرآن و حدیث کی کوئی ایسی سند نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ دُنیا کے سب اہلِ مذاہب کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے سوائے یہود کے۔ اور اگر کوئی یہود کو تبلیغ کرنے کے لئے مبلّغ مقرر کرے گا تو یہ گویا اسلام اور مسلمانوں سے غدّاری کے مترادف ہوگا۔ مولانا صاحب نے اپنے لئے اسوہ خدا جانے کس کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے لئے تو اسوۂ حسنہ صرف اور صرف سیّد ولدِ آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم اسی اسوہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی اسوہ پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں گے خواہ کسی کو کیسا ہی غیظ و غضب کیوں نہ آئے۔ پس جہاں تک ہمیں

تاریخِ اسلام کا علم ہے حضرت اقدس سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم یہود میں بھی تبلیغِ اسلام فرماتے اور ان کو بھی دینِ اسلام کی طرف بُلانے کے لئے ویسا ہی درد اور جذبہ رکھتے تھے جس طرح دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے۔ یہود کی مسلسل دشمنی اور ایذا رسانی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی راہ میں مانع نہ ہُوئی اور کسی موقع پر بھی آپ نے انتقاماً یہود میں تبلیغ اسلام کا کام بند نہیں فرمایا۔ پس جناب مولانا بنوری کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم تو اس امامِ عالی مقام ؐ کے پیچھے ہیں اور اسی کی غلامی کا دم بھرتے ہیں کیا ہم نے جناب مولانا صاحب کے اسوہ کو اپنایا ہے کہ اس کی پیروی ہم پر لازم قرار دی جا رہی ہے۔ آپ چاہیں تو شوق سے تبلیغ کی صف ہی لپیٹ دیں اور نہ ہنود کو اسلام کی طرف بلائیں نہ بدھوں کو، نہ عیسائیوں کو نہ یہود کو۔ اپنا مشغلہ بے شک کافر گری تک ہی محدود رکھیں۔ آپ کا دین آپ کو مبارک ہو لیکن ہمیں آپ اسوۂ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے کسی قیمت پر باز نہیں رکھ سکتے۔ اگر اس مقدس اسوہ کی پیروی میں ادیانِ باطلہ کو اسلام کی طرف بلانے کی جدوجہد کا نام ایجنٹی ہے تو ہمیں یہ ایجنٹی ہی دِل و جان سے عزیز ہے اور سوال صرف یہود کی ایجنٹی کا نہیں۔ ایک، جماعت احمدیہ کے مبلغین تو شرقاً غرباً سب دنیا میں کام کر رہے ہیں، کر چکے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ جناب کے غیر اسلامی معیار کی رُو سے تو ہم عالمگیر تبلیغِ اسلام کے نتیجہ میں دنیا کے ہر مذہب کے ایجنٹ بنتے ہیں۔

فلسطین کا مِشن ۱۹۲۸ء میں علی الاعلان قائم ہوا اور اسی دن سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر اور اخبارات میں اس کی مساعی کا ذکر چھپ رہا ہے۔ کبھی بھی اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی، نہ یہ کوئی چھپانے والی

بات تھی یہ سراسر جھوٹ ہے کہ ابتداً میں اسے صیغۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ جب اس علاقہ میں یہود کی غاصبانہ حکومت قائم ہوئی تو اس کے بعد بھی یہ مشن قائم رہا لیکن اس کی تبلیغی نوعیت میں ایک شعشہ بھی فرق نہیں آیا۔ صرف اسرائیل ہی نہیں بیسیوں ایسے خطے ہیں جہاں مدتوں سے احمدی تبلیغی مشن قائم ہیں۔ ایسے خطوں میں بارہا سیاسی تبدیلیاں واقع ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمارے مشن حسب دستور ان تبدیلیوں سے بے نیاز اعلائے کلمۃ الاسلام میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ حقیقت حال کا۔ اس سچائی کو آپ جس طرح چاہیں توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کریں، پھونکوں سے جس قدر چاہیں اُسے بجھانے کی کوشش کر دیکھیں۔ یہ شمع حقیقت کی لَو اپنی ہی جگہ پر رہے گی اور مخالفانہ کوششوں کے باوجود اس کا نُور تاریک دنیاؤں تک اسلام کا نور پہنچاتا ہی رہے گا۔ کوئی نہیں جو اس نُور کو اپنی پھونکوں سے بجھا سکے۔

انکشاف اور تاویلیں

اس بارہ میں پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ جماعت احمدیہ کی تمام عالمگیر مساعی ظاہر و باہر ہیں اور ان کا سلسلہ کے لٹریچر، اخبارات اور خلفائے وقت کی تقاریر میں بکثرت ذکر ملتا ہے۔ "مولانا" نے جو اپنی عظیم جاسوسی کارروائی دکھائی ہے اس کا کوئی وجود نہیں اگر مولانا اس غلط بیانی پر مصر ہیں تو ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس صورت حال کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں کہ کس طرح باوجود اس کے کہ جماعت کے لٹریچر میں اسرائیلی مشن کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مولانا اسے کس حیرت انگیز جاسوسی طریق پر منکشف کرنے میں

کامیاب ہوگئے۔ کن ذرائع نے ان کو اطلاع دی اور کب پہلی بار ان کی طرف سے اس راز پر سے پردہ اٹھایا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ضمناً اس صورت حال پر بھی ذرا روشنی ڈال دیں کہ جب وہ خود یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ فلسطین میں تبلیغی مشن ۱۹۱۷ء سے قائم ہے تو ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ساتھ نیا رابطہ پیدا کرنے سے ان کی کیا مراد ہے؟ اسی سابقہ مشن کا نیا نام انہوں نے سیاسی رابطہ رکھا ہے یا کوئی نیا سفارتی مشن وہاں قائم کیا گیا۔ پھر کن سفیروں کا آپس میں تبادلہ ہوا اور حکومتِ پاکستان نے کب اور کیسے اس کی اجازت دی۔ کہانی کے یہ سارے پہلو ابھی آپ کے زرخیز تصورات کے منتظر ہیں۔

تاویلوں والا قصہ بھی رابطہ والے قصہ کی طرح سراسر بے بنیاد ہے۔ جماعتِ احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کے ذکر میں خود جماعتِ احمدیہ کے لٹریچر میں اسرائیل کا نام پڑھ کر جب بعض دشمنانِ احمدیت نے اعتراض کیا تو جماعت کی طرف سے صورت حال کی وقتاً فوقتاً جو وضاحت کی جاتی رہی وہ ایک غیر مبدل حقیقت ہے جس میں کسی تبدیلی یا تاویل کا نہ سوال پیدا ہوتا ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔ اس جواب کے حسب ذیل پہلو ہیں:-

(۱) مشن ۱۹۲۸ء میں فلسطین میں قائم کیا گیا تھا جبکہ اسرائیل کا ابھی کوئی وجود نہ تھا۔

(۲) اس مشن کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا، نہ ہے نہ ہوگا۔

(۳) اگرچہ تحریک جدید کے عالمگیر بجٹ میں اس کا ذکر ملتا ہے لیکن جہاں تک پاکستان کے روپے کا تعلق

ہے ایک پیسہ بھی پاکستانی چندہ سے اس پر خرچ
نہیں کیا گیا نہ ہی کبھی حکومتِ پاکستان سے اس
کے لئے زرِ مبادلہ کی درخواست کی گئی۔

(۴) — یہ تبلیغی مشن ہمیشہ فلسطین کے مسلمانوں کے حق
میں کام کرتا رہا ہے اور ان کے لئے طاقت اور
سہارے کا موجب رہا ہے نہ کہ دشمنی اور نقصان کا۔

ربوہ سٹیٹ اور اسرائیل کے مابین فوجی تعاون

جھوٹ کو اپنے منتہا تک پہنچاتے ہوئے اور سنسنی خیزی کے گزشتہ تمام
ریکارڈ توڑتے ہوئے مولانا یہ تہلکہ انگیز انکشاف فرماتے ہیں کہ ربوہ اور اسرائیل
کے مابین باقاعدہ فوجی تعاون بھی موجود ہے۔ اس تعاون کی پہلی اطلاع
مولانا صاحب کو نوائے وقت لاہور کی ۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت کے
ذریعہ ملی جس میں مبینہ طور پر "لندن سے شائع ہونے والی کتاب "اسرائیل
اے پروفائیل" کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ "۱۹۷۲ء تک اسرائیلی
فوج میں چھ سو پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے تھے"۔

"نوائے وقت کے اس انکشاف کے بعد جماعت اسلامی کے ہفت روزہ
"ظاہر" لاہور ۲۲ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء میں جماعت اسلامی ہی کے ایک رہنما
مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کا انٹرویو اس موضوع پر شائع ہو چکا تھا۔
چنانچہ بنوری صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں نوائے وقت کی مندرجہ بالا
"خبر" کے بعد انصاری صاحب کا وہ انٹرویو بھی نقل کرتے ہیں۔

اس افترا پردازی کے جواب میں ایک مرتبہ پھر لعنۃ اللہِ علی الکاذِبین
کہنے کے بعد ہم پہلے تو یہ گزارش کرتے ہیں کہ باوجود انتہائی کوشش کے تاحال
مبینہ کتاب کا کوئی نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے پہلا غالب
گمان تو یہ ہے کہ "الفضل" کے اس پرچہ کی طرح جو کبھی شائع ہی نہیں
ہوا۔ جناب بنوری صاحب نے اپنی جادوگری سے اس غیر شائع شدہ پرچہ
میں سے بھی ایک اقتباس وضع فرما لیا تھا۔ بعید نہیں کہ یہ کتاب بھی کبھی
شائع نہ ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی بعید نہیں کہ اگر یہ کتاب شائع ہوئی ہو تو اس
کے مصنف آئی۔ ٹی نعمانی صاحب جماعت اسلامی ہی کے کوئی ایجنٹ ثابت
ہوں یا جماعت اسلامی کے کوئی ممبر یہود کے ایجنٹ نکلیں۔ ہم محض بدظنی
سے کام نہیں لے رہے بلکہ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا
جا سکتا ہے۔ ان قرائن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ فی الوقت اس
الزام کی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ الزام خود اپنے
جھوٹے ہونے کی اندرونی شہادتیں رکھتا ہے لہٰذا قطع نظر اس کے کہ یہ کتاب
کبھی شائع بھی ہوئی یا نہیں، یا شائع ہوئی تو کس قسم کے یہودی کی طرف
سے — یہ الزام سراسر باطل اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

○ **اوّل** = سب سے پہلے تو ہم اس تضاد کی طرف توجہ دلانا چاہتے
ہیں جو **نوائے وقت** کی خبر اور مولانا **انصاری** صاحب کے بیانات
میں ہے۔ نوائے وقت اس مفروضہ کتاب کی طرف یہ بیان منسوب
کرتا ہے کہ:۔

"۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں چھ سو پاکستانی قادیانی
شامل ہو چکے ہیں"۔

انصاری صاحب اس کتاب کا مضمون حسب ذیل الفاظ میں پیش کرتے ہیں :- "۱۹۷۲ء تک اسرائیل میں موجودہ احمدیوں کی تعداد
چھ سو تھی جن پر اسرائیلی فوج میں خدمت کے دروازے
کھول دیئے گئے۔"

پہلے بیان کی رُو سے چھ سو پاکستانی احمدی ۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں شمولیت بھی اختیار کر چکے تھے اور دوسرے بیان کی رُو سے اس تاریخ تک اسرائیل میں موجود کل احمدیوں کی تعداد چھ سو تھی جن پر خدمت کے دروازے کھولے گئے۔ ان "خدمت کے دروازوں" سے کوئی داخل ہوا یا نہیں' اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ احمدی کس قوم سے تعلق رکھتے تھے' اس کے متعلق مولانا بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سارے کتاب کے دعویٰ کے مطابق پاکستانی احمدی تھے۔

ان دونوں بیانات کا تضاد ہی یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اگر دونوں نہیں تو دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ جھُوٹا کون ہے ---؟ پہلے اس کا فیصلہ مدیر نوائے وقت اور انصاری صاحب آپس میں کر لیں اور نیا "متفق علیہ بیان" جاری فرمائیں تو پھر ہم اس نئے اصلاح شدہ بیان کا جائزہ لیں گے

○ دوم = دونوں نے کتاب کی طرف سے یہ دعویٰ منسوب کیا ہے کہ کم از کم چھ صد پاکستانی احمدی ۱۹۷۲ء تک اسرائیل میں موجود تھے۔ اگر یہ کل تعداد نہیں بلکہ صرف پاکستانی فوجیوں کی تعداد ہے جیسا کہ نوائے وقت کو دعویٰ ہے تو اسرائیل میں کل پاکستانی احمدیوں کی تعداد عام اندازے کے مطابق اس سے دس گنا یعنی تقریباً چھ ہزار تو ضرور ہونی چاہیئے۔

ہم صرف یہ آسان سا مطالبہ کرتے ہیں کہ نوائے وقت اگر اس فرضی

کتاب کے فرضی بیان کو درست تسلیم کرتا ہے تو اس جھوٹ کو ہزار پر تقسیم کر کے صرف چھ احمدی پاکستانیوں کا ہی اسرائیل میں ہونا ثابت کر دے تو ہم یہ مان جائیں گے کہ اس بیان میں صداقت کا کوئی دُور کا شائبہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح جناب انصاری صاحب اپنے مفروضہ کو ۱۰۰ پر تقسیم کر کے چھ پاکستانی احمدیوں کی اسرائیل میں موجودگی دکھا دیں تو ہم اس کم از کم سو گنا جھُوٹ کو نظر انداز کر دیں گے۔ یہی نہیں ہم ایک قدم آگے بڑھ کر یہ فراخدلانہ پیش کش بھی کرتے ہیں کہ نوائے وقت اپنے جھوٹ کو چھ ہزار پر اور مولانا صاحب چھ سو پر تقسیم کر کے کسی ایک پاکستانی احمدی کی شمولیت بھی اسرائیلی فوج میں ثابت کریں تو ہم تسلیم کریں گے کہ ان دونوں میں صداقت کا کوئی ذرّہ ابھی باقی ہے۔ بنوری صاحب سے ہماری گزارش یہ ہے کہ اس جھوٹ کو سچ کر دکھانے میں ان دونوں کی مدد فرمائیں۔ کیونکہ آپ کے ماہرانہ مشورہ کی ان کو یقیناً ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک نام اور صرف ایک نام ایسے پاکستانی احمدی کا شائع فرما دیں جس نے اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کی ہو۔ جہاں تک فلسطینی احمدیوں کا تعلق ہے' ان کی شمولیت کا تو نہ آپ کو دعویٰ ہے نہ اس مفروضہ کتاب میں کوئی ایسا ذکر بیان کیا گیا اس لئے اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

○ سوئم = سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چھ سو یا چھ ہزار پاکستانی کب اور اور کیسے اسرائیل پہنچے اور حکومتِ پاکستان کو ان کا علم کیوں نہیں ہوا؟ اگر ہوا تو اس بارہ میں کارروائی نہ کر کے کیوں مسلمانانِ عرب کے مفاد کو نظر انداز کیا گیا۔ اس مجرمانہ پردہ داری میں حکومت کے کون کون سے افسران ملوّث ہیں اور اُن کے خلاف حکومتِ پاکستان نے کیا کارروائی کی ہے؟

یہ سوالات ایسے ہیں جن کا جواب حکومتِ پاکستان ہی دے سکتی ہے،
اگر وہ اس بارہ میں خاموش رہے اور الزامات کو جھوٹا تسلیم کرنے کے
باوجود ان کی تردید بھی نہ کرے تو ہمارے لئے حکومت کا یہ موقف تعجب انگیز
ہو گا کیونکہ بنظرِ غور دیکھا جائے تو یہ دعویٰ کہ چھ صد یا چھ ہزار پاکستانی اسرائیل
میں فوجی یا غیر فوجی حیثیت سے اسرائیل کی مدد کر رہے ہیں، حکومتِ پاکستان
پر ایک **سنگین الزام** کی حیثیت رکھتا ہے۔

صیہونی پراپیگنڈا کا آلۂ کار کون ہے؟

پیشتر اس کے کہ ہم جناب بنوری صاحب کے اگلے اعتراض کا معائنہ
کریں، بہتر ہو گا کہ مولانا ظفر احمد انصاری اور جماعتِ اسلامی کے سابقہ کردار
کی روشنی میں اس امر کی تحقیق بھی کر لیں کہ جماعت احمدیہ کے خلاف
جماعت اسلامی کی یہ تازہ افترا پردازی کی مہم کیا معنے رکھتی ہے اور اس
کے نقوش اور تیکنیک کن پس پردہ طاقتوں کی نشان دہی کرتے ہیں اس
ضمن میں مولانا ظفر احمد انصاری ہی کے ایک انٹرویو سے استفادہ کرتے
ہوتے جو ماہنامہ اردو ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا، درج ذیل
اقتباس پیش کرتے ہیں۔ یقیناً یہ زبان ایک صاحب تجربہ کی زبان معلوم
ہوتی ہے۔

مغربی پروپیگنڈا بازوں کی اس نئی تکنیک کے متعلق معلومات فراہم
کرتے ہوئے ماہنامہ "اردو ڈائجسٹ" لاہور میں ظفر احمد انصاری نے اپنے
انٹرویو میں کہا:۔

"یہودیوں اور عیسائیوں کا دنیا کے بڑے بڑے اخبارات

اور خبر رساں ایجنسیوں پر قبضہ ہے وہ ان کے ذریعے
خبروں کو ایسا رنگ دیتے ہیں جس سے اسلامی ملکوں
میں میں نئے نئے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں پہلے کسی
مسلمان ملک کے بارے میں ایک فیصلہ کرتے ہیں اور
پھر اس فیصلہ کے لئے خبر رساں ایجنٹوں کے ذریعے
راستہ ہموار کرتے ہیں اور بالآخر وہ فیصلہ نافذ کر دیا جاتا
ہے وہ مختلف ملکوں میں مختلف تحریکیں اور نعرے چھوڑ
دیتے ہیں۔ پھر خبریں مسلسل اس انداز کی دی جاتی ہیں
جن سے ان نعروں کو تقویت ملتی ہے۔ یہ سارا کام
اتنی ہوشیاری سے ہوتا ہے کہ اکثر سادہ لوح پڑھے
لکھے مسلمان ان نعروں کا شکار ہو جاتے ہیں جب تک
صورت حال یہی رہتی ہے، اسلامی اتحاد کی آرزو پوری
نہیں ہو سکتی"۔ (ماہنامہ اردو ڈائجسٹ ماہ نومبر ۱۹۶۶ء)

مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کا یہ دل ہلا دینے والا انکشاف پڑھ
کر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان میں بھی سامراج اور یہود کے
مقرر کردہ ایسے عیار پروپیگنڈا باز موجود ہیں جو اپنے آقاؤں کے اشارے
پر ایسی عیاری کے ساتھ جھوٹ کا تانا بانا بنتے ہیں کہ غریب سادہ لوح
مسلمان اس پر ایمان لے آتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے جناب
مجاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں:۔

"الغرض ــ مختلف ملکوں میں پُراسرار خدمات سرانجام
دینے والی سی۔آئی۔اے کے ایجنٹوں اور امریکی

ڈپلومیسی کے پروپیگنڈا باز افراد اور جماعتوں نے اسی منصوبہ کے تحت عربوں کے مفادات اور صدر ناصر کے خلاف پروپیگنڈا کرنے اور ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کرنے کی جس مہم کا آغاز کیا تھا۔ پاکستان میں **اس کا جھنڈا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی زیرِ قیادت جماعت اسلامی نے اُٹھا رکھا ہے** انہوں نے یہودی خبر رساں ایجنسیوں کی فراہم کردہ معلومات کو نہایت ڈرامائی انداز میں پیش کرنے کے لئے وہی تکنیک اختیار کی جس کی انہیں تربیت دی گئی

(اسرائیل اور جماعت اسلامی ص۱۰۵)

اس سامراجی پروپیگنڈا تکنیک کو استعمال کرنے والے ماہرین میں مجاہد الحسینی صاحب کو سرفہرست جو نام نظر آتا ہے وہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :-

"جہاں تک مسٹر ظفر احمد انصاری کی ذات کا سوال ہے وہ کراچی میں جماعتِ اسلامی کی دستوری مہم کے کرتا دھرتا رہے ہیں **اور ان دنوں امریکی آڑھت کی دکان اسلامک سنٹر جینیوا (سوئٹزرلینڈ) کے رکن کی حیثیت سے پراسرار خدمات دینے پر مامور دکھائی دیتے ہیں۔"**

(اسرائیل اور جماعت اسلامی ص۱۰۵)

(تحریر مجاہد الحسینی - ادارہ صوت الاسلامی - لائل پور)

یہ جینیوا کا اسلامی سنٹر کیا چیز ہے جس کے انصاری صاحب ایک رکن ہیں اور اس سنٹر کے مقاصد کیا ہیں؟ ان سوالات پر روشنی ڈالتے ہُوئے مجاہد الحسینی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"کیا دُنیا میں اسلام کا مرکز سوئٹزرلینڈ کا جینیوا ہی باقی رہ گیا ہے جس کے ایک رکن نے مولانا مودودی کے ایک پرائیویٹ سیکرٹری خلیل حامدی کے نام یہ معلومات افزا خط لکھ کر زبردست انکشاف فرمانے کی کوشش کی ہے اور پھر جماعت اسلامی نے خط کو "منزل من اللہ" سمجھ کر اس کی تبلیغ و اشاعت کو عصرِ حاضر کا سب سے بڑا فرض اور تقاضا قرار دیا ہے"

"جینیوا کے اسلامی سنٹر" کی بابت ممکن ہے بعض حضرات تعارفی معلومات نہ رکھتے ہوں۔ یہ امریکی منڈی کی ایک آڑھت کی دکان کا نام ہے جس میں اسلام دین اور مذہب کی خرید و فروخت کا کاروبار ہوتا ہے اور اس میں حصہ لینے والے بڑے بڑے نام نہاد علمائ مفکروں، دانشوروں، صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں کو پیٹ کا جہنم بھرنے کے لئے معقول رقم دی جاتی ہے اور اس کے عوض اشتراکیت کے مقابلہ کا نام دے کر در اصل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسے ڈرامائی انداز میں مضامین لکھوائے جاتے ہیں کہ قارئین پس منظر کی گہری سازش کو محسوس بھی نہ کر سکیں۔"

(اسرائیل اور جماعت اسلامی ص۶۱-۶۲ تحریر مجاہد الحسینی - ادارہ صوت الاسلام - لائلپور)

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ الزام تراشی ہی ہے یا واقعتاً انصاری صاحب
نے کسی ایسے پراپیگنڈے میں حصہ لیا جو اپنے نتائج کے اعتبار سے عرب
مفادات کے سخت خلاف اور یہود کے حق میں تھا۔ اس سوال کا جواب
دیتے ہوئے جناب مجاہد الحسینی صاحب انصاری صاحب کے ایک انٹرویو
کا ذکر کرتے ہیں جس میں انصاری صاحب نے اسرائیل کے خلاف عربوں
کے غازی اور ہر دلعزیز قومی ہیرو صدر ناصر پر یہ مکروہ اور بے بنیاد الزام
لگایا کہ وہ اسرائیل کے ایجنٹ ہیں۔ ظاہر ہے کہ عربوں کے مفاد کو نقصان
پہنچانے کے لئے اس سے زیادہ مہلک پروپیگنڈا متصور نہیں ہو سکتا کہ اُن
کا ہر دلعزیز رہنما اور سردار اور سپہ سالار خود اُن کے بدترین دشمن کا ایجنٹ
ہے۔ اس ضمن میں مجاہد الحسینی صاحب، ظفر احمد صاحب انصاری کے
ایک انٹرویو کا حسب ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں:۔

"انگریزوں نے شاہ فاروق کو رام کرنے اور ڈرانے
دھمکانے کے تمام حربے استعمال کئے لیکن شاہ فاروق
نے اپنی رائے تبدیل نہ کی اور دراصل اس مسئلے پر
انگریزوں اور شاہ فاروق کے درمیان گفتگو منقطع ہو گئی
یہ ۱۹۵۱ء کا وسط تھا۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اسی وقت
شاہ کو ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ موزوں آدمی کی تلاش
شروع ہو گئی۔ اب وہ چاہتے تھے کہ ایک تیر سے دو
شکار کئے جائیں یعنی مصر میں کوئی ایسا شخص برسراقتدار
لایا جائے جو ایک طرف مصر اور سوڈان کو متحد نہ ہونے
دے اور دوسری طرف اخوان تحریک کو کچل کر رکھ

دے۔ ان کی نظرِ انتخاب جمال ناصر پر پڑی۔ اس کے
لئے راستہ تیار کیا گیا اور بالآخر ۱۹۵۲ء میں فاروق کو
تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ جمال ناصر نے برسراقتدار
آنے کے بعد ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کام کرنا شروع
کر دیا جو اسے پہلے بتا دیئے گئے تھے۔ اس نے سوڈان
کو مصر سے متحد نہ ہونے دیا۔ **اخوان** کے پچاس ہزار
افراد شہید کئے اور عرب ممالک میں ایک ایسا زہر آلود
خنجر گھونپ دیا جس کا زخم خدا جانے مندمل ہو گا بھی
یا نہیں۔ **مجھے سو فیصدی یقین ہے کہ ناصر یہودیوں
کا آلہ کار ہے۔**"

(اردو ڈائجسٹ لاہور نومبر ۱۹۶۶ء ص ۳۹)

اس انٹرویو پر تبصرہ کرتے ہوئے مجاہد الحسینی صاحب فرماتے ہیں:۔

"یُوں تو انصاری صاحب کا یہ فراہم کردہ مواد ہی
"یہودی سازش" کا زندہ ثبوت ہے۔ ورنہ وہ حقائق
و واقعات کے صریحاً خلاف کہتے ہوئے ضرور کچھ شرم
و ندامت محسوس کرتے...... کذب و افترائکے پہاڑ
توڑنے اور جھوٹ کے طوفان ابھارنے میں
واقعی ان بزرگوں نے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں
اور اپنے سامراجی آقاؤں کا حق نمک ادا کر دیا ہے۔
ان مغربی پروپیگنڈا بازوں نے اسرائیل سے حملہ کرانے
سے پہلے اپنے سازشی منصوبہ کے تحت پہلے تو مسٹر انصاری

کی وساطت سے صدر ناصر کو یہودیوں کا آلۂ کار ثابت
کرنے کی ناپاک مہم چلائی۔ پھر جماعت اسلامی کے
ایک رکن اور سابق ناظم اعلیٰ نشر و اشاعت جماعت
اسلامی پاکستان مسٹر صباح الاسلام فاروقی سے انگریزی
زبان میں ایک کتاب لکھوائی۔ "یہودی سازش اور
عالم اسلام" کے نام سے یہ رسالہ شائع کرکے پاکستان
اور دیگر ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا اور
سامراجیوں کے اہم مقاصد کی تکمیل کے لئے عرب
اسرائیل جنگ کے دوران پھر اسے مارکیٹ میں پیش
کیا گیا۔ تاکہ میدانِ جنگ میں جدید ترین اسلحہ کے ساتھ
مصر کو شکست دینے کے ساتھ ساتھ زہریلا پروپیگنڈا
کرکے رائے عامہ کو صدر ناصر اور مصری عوام سے
اس قدر متنفّر کر دیا جائے کہ ان سے معاونت اور
ہمدردی کا ادنیٰ جذبہ بھی باقی نہ رہے۔"

(اسرائیل اور جماعت اسلامی ص۱۰۱ تا ۱۰۹ تحریر مجاہد الحسینی۔ ادارہ صوت الاسلام لائلپور)

جب اس کتاب "یہودی سازش" کو عالمِ اسلام کے مفاد کے سخت
خلاف پاکر حکومتِ پاکستان نے ضبط کیا تو جماعت اسلامی کی لیڈر شپ
یہاں تک کہ خود مولانا مودودی صاحب نے اس ضبطی کے خلاف سخت
احتجاج کیا۔

جن قارئین کو اس واقعہ کی تفاصیل میں دلچسپی ہو وہ روزنامہ جنگ
کراچی ۱۹ جولائی ۱۹۶۷ء کے علاوہ مولانا کوثر نیازی صاحب کی مشہور کتاب

"جماعت اسلامی عوامی عدالت میں" کے صفحہ ۱۹۰ کا مطالعہ فرمائیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ظفر انصاری صاحب وہ کتاب پیش فرما سکیں جس
میں بقول ان کے اسرائیل میں چھ صد پاکستانی احمدیوں کی موجودگی کی خبر
دی گئی ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اس کتاب کے ڈانڈے بھی ضبط شدہ کتاب
"یہودی سازش" سے ملے ہوئے دکھائی دیں۔ بہرحال ان چند اقتباسات
پر اکتفا کرتے ہوئے اس فیصلہ کو قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ یہود کا اصل
ایجنٹ کون ہے؟

مغربی جرمنی میں چار ہزار احمدیوں کی گوریلا تربیت

اخبار نوائے وقت اور جماعت اسلامی کی معرفت ۶۰۰ پاکستانی
احمدیوں کو اسرائیلی فوجی بنانے کے بعد اب بنوری صاحب نے چٹان اور
حضرت مولانا تاج محمود صاحب کی معرفت اس طرح کا ایک اور شعبدہ
دکھاتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ مغربی جرمنی میں ۴۰۰۰ احمدی اس
لئے گوریلا تربیت حاصل کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کوئی عجمی اسرائیل قائم
کیا جائے۔

اس الزام تراشی کے وقت جناب بنوری صاحب یا تاج محمود صاحب
نے یہ تکلیف بھی نہ فرمائی کہ ۴۰۰۰ گوریلا ثابت کرنے کے لئے کسی فرضی
کتاب کا حوالہ ہی دے دیں۔ گویا کسی مولانا کا محض بیان ہی ایک کافی
وشافی ثبوت اس بات کا ہے کہ مبیّنہ خبر درست ہے۔ قارئین ہی فیصلہ
فرمائیں کہ اس قسم کے حریفوں سے کسی کو پالا پڑے تو کوئی کیا کرے۔ مولانا

نے اس امر کی تحقیق ہی فرمالی ہوتی کہ پاکستانی اور غیر پاکستانی ... ملا کر مغربی جرمنی میں چار ہزار احمدی ہیں بھی کہ نہیں۔ مگر اس بحث سے قطع نظر کہ وہاں چار ہزار احمدی ہیں یا چار صد' اصل مطالبہ تو ہمارا یہ ہے کہ کسی ایک احمدی کا بھی جرمنی میں گوریلا ٹریننگ حاصل کرنے کا ثبوت دے کر اپنی شرافت کا ثبوت مہیا فرمائیں۔

مقصد اس ٹریننگ کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ پاکستان کو "عجمی اسرائیل" میں تبدیل کیا جائے۔ گویا مغربی جرمنی پاکستان کی سالمیت کو تباہ کرنے کے لئے بطور اڈہ کام کر رہا ہے۔ پہلے بھی بارہا توجہ دلائی جا چکی ہے کہ احمدیت پر حملہ کرتے وقت یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ وار کہیں غلط جگہ تو نہیں پڑ رہا۔ ذرا غور فرمایئے کہ اگر مولانا کا یہ اعتراض درست ہے تو مغربی جرمنی اور پاکستان کے تعلقات پر اس کا کیا اثر پڑنا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولانا صاحب کے پاس اس الزام کا کوئی خفیہ ثبوت موجود تھا تو انہوں نے کیوں حکومت پاکستان کی خدمت میں پیش نہیں کیا اور کیوں حکومتِ پاکستان نے حکومت مغربی جرمنی سے اس خطرناک معاندانہ حرکت اور مداخلت پر شدید احتجاج نہیں کیا۔ اگر مولانا نے اس ثبوت کو اپنی ذاتی خفیہ ملکیت سمجھ رکھا ہے تو تعجّب حکومت پر ہے کہ اس سنگین الزام تراشی کو کیوں برداشت کر رہی ہے اور کیوں مولانا صاحب سے ثبوت فراہم کرنے کی باضابطہ کارروائی نہیں کی جاتی ؟

مسیحی رہنما صوبہ خان کا بیان احمدیوں کے حق میں

اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر مولانا صاحب نے کسی مسیحی لیڈر صوبہ خان کے کسی بیان کا ایک اقتباس پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ عیسائی احمدیوں کے ساتھ ہیں اور احمدیوں کے تحفظ میں اپنی "طاقت کی چھُری" مہیا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

جہاں اتنی بڑی بڑی افترا پردازیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے وہاں اس چھوٹی سی افترا پردازی پر بحث بے مزہ سی بات نظر آئے گی لیکن اس افترا کی اصلیت بھی ضرور قارئین کو معلوم ہونی چاہیئے۔

صوبہ خان صاحب کا بیان کس حد تک احمدیت دوستی پر مبنی ہے اس کا اندازہ اُن کے بیان کے حسب ذیل اصل الفاظ سے ہو سکتا ہے ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں کہ مولانا کا پیش کردہ مفہوم اس بیان کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے۔ تعجّب اس لئے نہیں کہ مولانا کا قلم بوالعجبی کے ایسے ایسے نظارے ہمیں دکھا چکا ہے کہ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر طبیعت تعجّب کی زحمت گوارا نہیں کرتی۔ مزید تبصرہ کے بغیر صوبہ خان صاحب کا اصل بیان پیش ہے :۔

> "لاہور۔ ۲۷ ستمبر (امن رپورٹ) پاکستان نیشنل کرسچین لیگ کے صدر صوبہ خان نے خبردار کیا ہے کہ اگر ملکی سالمیت کے تحفظ کے لئے قادیانی اقلیتی فرقہ کی کڑی نگرانی نہ کی گئی اور اسے غیر مسلم مخصوص اقلیت کے علیٰحدہ حقوق کا راستہ تعین کر کے ساٹھ لاکھ کی

بھارتی محبِ وطن اہلِ کتاب مسیحی اقلیت کے حقوق
و مفادات کا عملی تحفظ نہ کیا گیا تو ملک کی بنیادیں ہل
جائیں گی اور قادیانی فرقہ کو اقلیت قرار دینے کی
پاداش میں پاکستان کی مسلم اکثریت کو اپنی خوش
فہمی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا...... مسیحی رہنما نے دُنیا
کے تمام مسیحی ممالک کے سربراہوں سے بھی اپیل کی ہے
کہ وہ اپنے عقیدے کا احترام کریں۔ یسوع مسیح کے
خلاف مرزائیوں کے توہین آمیز لٹریچر کو فوراً ضبط کر
لیں اور چوکس رہیں۔" (روزنامہ امن کراچی ۲۹ ستمبر ۱۹۷۴ء)

ربوہ سٹیٹ کا جاسوسی نظام

مولانا صاحب اپنے رسالہ کے آخر پر "ربوہ سٹیٹ" کے "جاسوسی نظام" سے پردہ اُٹھاتے ہوئے سب سے پہلے مبینہ طور پر حکومتِ پاکستان کے کسی گشتی مراسلہ کا مفہوم پیش فرماتے ہیں جو مولانا کے بیان کے مطابق حکومت کے اعلیٰ افسران کے نام ۱۹۵۷ء میں جاری کیا گیا تھا۔ جو مفہوم اپنی زبان میں مولانا نے پیش فرمایا ہے اس کی رُو سے حکومتِ پاکستان کو یہ "معتبر" اطلاع ملی تھی کہ :۔

"ربوہ کی احمدیہ جماعت نے کوئی ایسا خبر رسانی کا عملہ
ملازم رکھا ہے جو ایسی سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات
فراہم کرے گا جو احمدیہ فرقہ کے مفاد میں ہوں گی۔"

مولانا صاحب کے بیان کے مطابق حکومت نے ان معلومات کی وضاحت

بھی کی جن میں جماعت احمدیہ ربوہ کو دلچسپی تھی اور وہ حسبِ ذیل ہیں :۔

"حکومت نے بتایا ہے کہ احمدیہ جماعت کے لئے یہ عملہ
عام طور پر جو معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے ان میں
ربوہ کی احمدیہ جماعت کے باغیوں کی جن کا نام
"حقیقت پسند پارٹی" ہے۔ سرگرمیاں مجلس تحفظِ ختمِ
نبوت اور جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا پتہ چلانا شامل
ہے۔"

اس مبینہ بیان کو اگر مِن وعَن تسلیم کر لیا جائے (جو گزشتہ تلخ تجربہ کی رُو سے ذرا مشکل کام ہے) تو بھی اس کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں حکومت کو بعض ذرائع سے یہ خبر پہنچی کہ جماعت احمدیہ ایسی خبریں معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے جو اس کے مفاد سے متعلق ہیں اور اس کے دشمنوں کی مخالفانہ کوششوں اور تدابیر سے اسے باخبر رکھیں۔ چنانچہ اس غرض سے چند آدمی بھی جماعت نے ملازم رکھے ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا صاحب کے بیان کے مطابق حکومت کو بعض ذرائع سے یہ اطلاع بھی پہنچائی گئی کہ احمدی افسران ریٹائرڈ ہوں یا غیر ریٹائرڈ معلومات مہیا کرنے میں اس احمدی عملہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

اس بنیاد پر جناب مولانا صاحب جو جاسوسی کی حیرت انگیز فلک بوس عمارت تعمیر فرماتے ہیں وہ اُنہی کے الفاظ میں پیش ہے :۔

"اب مَیں یہ مفروضہ پیش کرتا ہوں جو محض مفروضہ نہیں
بلکہ بڑی حد تک حقائق و واقعات کی صحیح تصویر ہے
ـــــ کہ قادیانیوں کی عالمی تحریک جس کا ہیڈ کوارٹر ربوہ

ہے اور جس کا ہر فرد ایک واجب الاطاعت "خلیفہ" کے ماتحت کام کرتا ہے یورپ، یہودیت اور ہندوستان کا آلۂ کار اور جاسوس ہے ـــــ فرض کیجئے پاکستانی فوجی اور دفاعی راز قادیانی شاخ کے ذریعہ ـــ جو ہندوستان میں ہے ـــ انڈونیشیا پہنچائے جاتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی رپورٹ مرکز لندن کی وساطت سے استعماری طاقتوں کو مہیا کی جاتی ہے مشرقِ وسطیٰ کے خفیہ راز اسرائیلی مرکز کے ذریعہ صیہونیوں کو بھیجے جاتے ہیں اور خلافتِ ربوہ کا یہ محکمہ اطلاعات تمام اسلام دشمن طاقتوں کی خدمت کے لئے وقف ہے سوال یہ ہے کہ کیا عالمِ اسلام نے قادیانیوں کی جاسوسی اور خفیہ سازشوں سے تحفظ کا کوئی انتظام کیا ہے؟ اور کیا اس وقت تک اس کی ضرورت بھی کسی کے گوشۂ ذہن میں آتی ہے"؟

(ربوہ سے تل ابیب تک ص۲۷)

اگر مولانا صاحب اپنے اس جاسوسی انکشاف کا نام "مفروضہ" ہی رہنے دیتے تو ہمیں اس پر کسی تعرض کی ضرورت نہ تھی مگر اُسی سانس میں اس "مفروضہ" کو "بڑی حد تک حقائق و واقعات کی صحیح تصویر" قرار دے کر مولانا نے ہمیں اس مفروضہ کا نوٹس لینے پر بھی مجبور کر دیا ہے۔ تعجّب ہے کہ وہ حقائق و واقعات جن کی یہ تصویر ہے مولانا حکومت کے علم میں کیوں نہیں لاتے۔ کون کون سے احمدی جاسوس، کیا کیا اہم

راز ہندوستان انڈونیشیا، انگلستان اور اسرائیل پہنچا رہے ہیں اور اُن سے عالمِ اسلام کو کیا کیا نقصانات پہنچے ہیں۔ یہ اہم حقائق ایسے تو نہیں کہ مولانا صاحب کے سینہ میں مدفون اس دنیا سے گزر جائیں ان کو تو باقاعدہ حکومت کے سامنے پیش کر کے معاملہ کی تحقیق کروانی چاہیئے تاکہ جاسوسی کے ثابت شدہ مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے لیکن کوئی ایسی حقیقت ہو تو پیش ہو۔

مولانا صاحب کا پیش کردہ مفروضہ ایک ایسا لغو اور لچر قصہ ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اُسے قبول نہیں کر سکتا۔ قبول کرنا تو درکنار اسے قابلِ عذر سمجھنا بھی عقلِ انسانی کی اہانت ہے۔ ذرا اندازہ فرمائیے کہ پاکستان کے فوجی راز انڈونیشیا پہنچانے کا تصور کیسا انوکھا اور منفرد ہے اور وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ ہندوستان کے راستے! مجھے اس واقعہ پر پھر وہ اشتہار یاد آگیا جو ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے اردو انگریزی اخبارات میں شائع ہوتا رہا۔ اور جس میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ پاکستان میں) مذہبی منافرت پیدا کرنے اور اس ملک میں فساد پھیلانے کے لئے مولانا ہندوستان کے اشارے پر کام کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں حکومت نے اس بارہ میں کسی تحقیق کی ضرورت سمجھی یا نہیں لیکن غیر ارادی طور پر مولانا کے تصوّر نے پاکستان کے راز باہر بھجوانے کے لئے جو ہندوستان کا راستہ اختیار کیا ہے یہ خالی از معنی نہیں۔ سب دنیا کے کھلے راستے چھوڑ کر ہندوستان کے بند راستے کو اختیار کرنے کا خیال جہاں انوکھا ہے وہاں معنی خیز بھی ہے۔ ایک عام پاکستانی تو یہ وہم بھی نہیں کر سکتا کہ انڈونیشیا خبریں بھیجنے کے لئے نئی دہلی کا راستہ ضروری ہے۔ یہ تصوّر تو کسی ایسے ذہن کی پیداوار ہے جس کے

لئے یہ راستہ آسان تر ہو اور جس کا پہلے سے رابطہ قائم ہو۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ آخر کیوں مولانا کبھی تو مغربی جرمنی اور پاکستان کے تعلقات خراب کرنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑتے ہیں اور کبھی انڈونیشیا کی عظیم اسلامی مملکت سے پاکستان کو بدظن کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ کیا انڈونیشیا کا یہی کام رہ گیا ہے کہ پاکستانی احمدیوں سے ہندوستان کی معرفت پاکستان کے فوجی راز ہی مہیا کرتا رہے اور کوئی مشغلہ ہی نہیں۔ جہاں مولانا صاحب نے ایسے عظیم اور حیرت انگیز انکشافات فرمائے ہیں وہاں کاش یہ بھی دریافت فرما لیا ہوتا کہ عقل کس جانور کا نام ہے! یا تو احمدیت کی دشمنی میں بے چارے بالکل ہی بہک گئے ہیں یا پھر دو اسلامی مملکتوں میں بدظنی پیدا کرنے کی یہ کوشش بالارادہ اور معنی خیز ہے۔ کون ان کے پیچھے ہے اور کیوں؟ — یہ دریافت کرنا حکومتِ وقت کا کام ہے۔

آخر پر ہم مولانا صاحب سے اتنا پوچھنے کا حق ضرور رکھتے ہیں کہ آپ کا خود اپنے شعبۂ جاسوسی کے بارہ میں کیا خیال ہے جس کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور جو پاتال کی خبر لاتا ہے۔ یہ شعبہ کس بیرونی طاقت کے اشارے پر کام کر رہا ہے؟ وہی اشتہار والی بات ہے یا کوئی اور؟ آپ کے شعبۂ جاسوسی کے مقابل پر تو روئے زمین پر کوئی اور جاسوسی نظام نہیں۔ آپ کو عدیس ابابا کے بارہ میں وہ معلومات حاصل ہوئیں جن کا خود عدیس ابابا کو علم نہیں۔ آپ کو پاکستان میں ایک آزاد ریاست کی خبر ہوئی جس کی خود حکومتِ پاکستان کو خبر نہیں۔ آپ پر مغربی جرمنی کے متعلق ایسے انکشافات ہوئے جن سے خود جرمنی بے خبر ہے۔ آپ کو ۱۹۱۷ء میں

قائم ہونے والے جماعت احمدیہ کے ایسے مشنوں کا پتہ ہے جن کا جماعت احمدیہ کو کچھ پتہ نہیں۔ آپ کو ایسے اخبارات کے اقتباسات یاد ہیں جو کبھی شائع نہیں ہوتے۔ ایسی کتب کے مضامین جانتے ہیں جو کبھی لکھی نہیں گئیں آپ انڈونیشیا کے بارہ میں وہ کچھ جانتے ہیں جو انڈونیشین غریب نہیں جانتے۔ آپ کو فلسطین کے بارہ میں ایسے حقائق معلوم ہیں جن سے فلسطینی لاعلم ہیں۔ آپ کو مسئلہ فلسطین میں عربوں کے موقف سے ظفر اللہ خان کی وہ وہ باتیں معلوم ہیں جن کی عربوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ جماعت احمدیہ کے امام کی ایسی عرب دشمن سازشوں کا علم آپ رکھتے ہیں جو عربوں پر روشن نہ ہو سکا۔!

اب اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان کے بارے میں بعض عرب اخبارات کے تبصرے ہدیۃً آپ کی خدمت میں پیش کر کے ہم اجازت چاہیں گے۔ ان تبصروں کے مطالعہ سے ایک معمولی فہم کے آدمی پر بھی یہ روشن ہو جائے گا کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق امامِ جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان کی مساعی کے بارہ میں عرب شرفاء کی کیا رائے تھی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب "اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآرا مضمون قلمبند فرمایا جس میں مسلمانانِ عالم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر اسرائیلی فتنہ کی سرکوبی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کی تلقین کی گئی تھی تو شامی ریڈیو نے خاص اہتمام سے اس کا خلاصہ نشر کر کے اسے دنیائے عرب کے کونے کونے تک پھیلا دیا اور متعدد عرب اخبارات نے اس پر شاندار الفاظ

میں تبصرے کئے۔ بطور نمونہ چند ایک اقتباس درج ہیں :۔

اخبار "النھضۃ" نے (مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۹۴۸ء) زیر عنوان "مطبوعات" لکھا:

"اھدانا السید مرزا محمود احمد کراسۃ صغیرۃ تحتوی علی الخطاب الذی القاہ فی (لاھور) باکستان یدعوا فیھا المسلمین الی الاتحاد والعمل الحاسم لانقاذ فلسطین من الصیھانیہ المجرمین کما انہ یھیب بابناء الباکستان البررۃ ان یبادروا الی مساعدۃ عرب فلسطین بالمال یذکرھم بالرسول الکریم ؐ مستشھداً بآیات شریفۃ یحض فیھا المسلمین ان یقفوا صفا واحدا امام سیل الصیھونیہ المجرمۃ التی تؤیدھا کل من امریکا و روسیا الشیوعیۃ لمصالح وغایات فی نفسھما ویدعوھم ان لایتوالو وان یضعوا نصب اعینھم ما یملیہ علیھم الواجب من الجھاد فی سبیل الاسلام والمسلمین وھی خطبۃ جیدہ و دعایۃ حسنۃ لفلسطین والمسلمین ندعواللہ ان یحقق آمالنا و امانیہ العذب فی سبیل دیننا القویم واللہ من وراء القصد"

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صفحہ ۳۹۰)

ترجمہ: ہمیں ایک ٹریکٹ موصول ہوا ہے جو السید مرزا محمود احمد صاحب کے ایک خطبہ پر مشتمل ہے جو انہوں نے لاہور (پاکستان) میں دیا ہے اس خطبہ میں خطیب نے تمام مسلمانوں کو دعوتِ اتحاد دی ہے اور صیہونی مجرموں کے چنگل سے فلسطین کو نجات دلانے کے لئے ٹھوس اور موثر اقدام کی طرف توجہ دلائی ہے۔ نیز اہلِ پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ فلسطینی عربوں کی فوری اعانت کریں اور مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلاتے اور آیاتِ قرآنی سے استشہاد کرتے ہوئے ترغیب دی ہے کہ وہ مجرم صیہونیوں کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے صف بستہ ہو جائیں جن کی پشت پناہی امریکہ اور اشتراکی روس اپنی مصالح اور اغراض کے ماتحت کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ وہ ضعف و اضمحلال کا اظہار نہ کریں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے جہاد کے سلسلہ میں عائد شدہ ذمہ داری اپنے سامنے رکھیں۔

یہ ایک نہایت عمدہ خطبہ اور فلسطین اور مسلمانوں کے حق میں نہایت اچھا پروپیگنڈا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہماری ان نیک آرزوؤں اور عمدہ خواہشات کو جو ہمارے دین قویم کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن ہیں، متحقق فرمائے۔ آمین!

اخبار "الشوریٰ" (بغداد) نے اپنے ۱۸ جون ۱۹۴۸ء کے پرچہ میں ایک عربی نوٹ لکھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

"حضرت مرزا محمود احمد صاحب کا ایک خطبہ

ہمیں ایک ٹریکٹ ملا ہے جو بغداد میں چھپا ہے جس میں حضرت مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان کے ایک پرجوش خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں نے نام نہاد اسرائیلی حکومت کی تشکیل کے اعلان کے بعد لاہور (پاکستان) میں پڑھا۔ اس خطبہ کا عنوان ہے : "اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ"۔ جن اصحاب نے یہ مفید ٹریکٹ شائع کیا ہے ہم ان کی اسلامی غیرت اور اسلامی مساعی پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔ "

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ صـ ۳۹۳)

اس مضمون کا جو گہرا اور نیک اثر مسلمانانِ غرب پر پڑا اسے مٹانے اور مسلمانوں کی توجہ فلسطین سے ہٹا کر اندرونی افتراق کی طرف مبذول کرنے کے لئے استعماری طاقتوں نے جو حربہ اختیار کیا اس کا ذکر بھی یہاں دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ اس موضوع پر ہم مشہور کہنہ مشق ادیب اور صحافی الاستاد علی الخیاط آفندی کا ایک مضمون نقل کرتے ہیں جو بغداد کے مشہور اخبار الانباء ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ استاد آفندی المحترم کا پورا عربی مقالہ ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوچکا ہے ترجمہ یہ ہے کہ :-

"غیر ملکی طاقتیں جماعت احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں۔

گزشتہ دنوں بعض اخبارات نے قادیانی جماعت کے خلاف پے در پے ایسی صورت میں نکتہ چینی کی ہے کہ جس کی طرف انسان کو توجہ کرنی پڑتی ہے۔ قادیانیت کیا ہے اور اخبارات میں اس کے متعلق اس طرح نکتہ چینی کرنے کی کیا وجہ ہے۔

قادیانیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مشکل درپیش ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اتہامات جو قادیانیوں پر لگائے گئے ہیں وہ درست ہیں یا غلط ہیں، قادیانی لوگ اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کہتے ہیں وہ مرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں جو ہندوستان میں قادیان کی بستی میں رہتے تھے اور جنہیں ان کے دعوؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ دینِ اسلام کو مستحکم کریں۔ قادیانی انہیں وہی مہدی معہود اور مسیح موعود سمجھتے ہیں جن کے آخری زمانے میں آنے کے متعلق مذہبی کتابوں میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ قادیانی اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہیں اور اسلام کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

احمدیوں کے مخالف انہیں قادیانی کے لفظ سے پکارتے ہیں اور ان کے ظاہری طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کے مطابق دینی فرائض ادا کرنے کے باوجود انہیں مرتد قرار دیتے ہیں۔

احمدیت یا قادیانیت کوئی آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ قریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے شہر قادیان میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور جو لوگ اس طریقہ کو درست سمجھتے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی پیروی کی۔ ہمارے نزدیک خواہ یہ طریقہ درست ہو یا باطل ہو، خواہ یہ لوگ مسلمان ہوں یا اسلام سے خارج ہوں۔ بہرحال اخبارات کے لئے کوئی معقول وجہ اس امر کی نہیں ہے کہ وہ اس نازک وقت میں جبکہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد اور یکجہتی کی ضرورت ہے۔ اس طرز پر قادیانیت کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں۔

شاید قارئین کو تعجب ہوگا کہ جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ سارے عراق میں اس جماعت کے صرف ۱۸ خاندان بستے ہیں۔ ۹ خاندان بغداد میں ۴ بصرہ میں ۴ صبانیہ میں اور ایک خاندان خانقین میں اور سب لوگ ہندوستان سے عراق تجارت کی نیت سے آئے تھے۔ بعض نے ان میں سے عراقی قومیت کے سرٹیفکیٹ حاصل کر

لئے ہیں اور بعض اپنی ہندوستانی قومیت پر قائم رہے جسے انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے بعد پاکستانی قومیت میں تبدیل کر لیا۔ عراق میں اتنے عرصے سے رہنے کے باوجود انہوں نے کسی عراقی شخص کو اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا۔ ان کا کوئی معبد نہیں ہے اور نہ ہی ان کے کوئی خاص مذہبی اجتماعات ہیں ان کی ساری جدوجہد بعض اخبارات اور ایسے ٹریکٹ تقسیم کرنے پر منحصر ہے جس میں غلبہ اسلام کے متعلق دلائل دیئے گئے ہیں یا فلسطین اور بعض اسلامی حکومتوں کے دفاع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس جگہ پر پڑھنے والے کے دل میں خیال پیدا ہوگا کہ جب واقعہ یہ ہے تو اخبارات میں قادیانیت پر اس طرح نکتہ چینی کرنے اور اس پر حملے کی کیا وجہ ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کا صرف ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ استعماری طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ اور شقاق پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کر رہی ہیں اور وہ انہیں انگلیوں پر نچانا چاہتی ہیں کیونکہ مسلمان ابھی تک اس انتظار میں ہیں کہ وہ یوم موعود کب آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ بلاد مقدسہ کو یہودیت کی لعنت سے پاک کرنے کے لئے متحدہ قدم اٹھائیں گے اور فلسطین اس کے جائز اور شرعی حقداروں کو مل سکے گا۔ استعماری

طاقتیں ڈرتی ہیں کہ کہیں عربوں کا یہ خواب پورا نہ ہو جائے
اور اسرائیلی سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ نہ جائے
جس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے بڑی بڑی
مشکلات برداشت کی ہیں۔ اس لئے یہ غیر ملکی حکومتیں
ہمیشہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف نعرے
لگوا کر منافرت پیدا کی جائے اور بعض فرقے احمدیوں
کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے کے لئے کھڑے ہو
جائیں یہاں تک کہ اس طریق سے حکومتِ پاکستان
اور بعض ان عرب حکومتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو
جائے جن کے اخبارات پاکستان کے وزیر خارجہ ظفراللہ
خان احمدی کو کافر قرار دیتے ہیں۔ غالباً بہت سے
پڑھنے والوں کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ قبل پاکستان کی
بعض جماعتوں نے اس امر کی کوشش کی تھی کہ مسلمان
حکومتوں کا ایک اسلامی بلاک قائم کیا جائے تاکہ
ان کی ہستی اور ان کی آزادی قائم رہے اور ان
کی بیرونی سیاست ایک نہج پر چلے مگر یہ کوششیں
بعض دوسری مسلمان جماعتوں کی مخالفت کی وجہ
سے کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس تجویز کی ناکامی کے
اسباب میں درحقیقت بڑا مسئلہ تکفیر ہے جو بعض انتہا
پسند مولویوں کے ہاتھ میں استعماری طاقتوں نے
دیا تھا تاکہ وہ اس تجویز کے محرکین کو قادیانی اور

اسلام سے خارج کہہ کر اس کو ناکام بنانے کی کوشش
کریں۔

شاید کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ میرے اس
معاملہ میں استعماری طاقتوں کو دخل انداز قرار دینا
صرف ظن اور گمان ہے۔ مگر میں قارئین کرام کو پورے
یقین کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس لہر کی پوری
پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت یہ سب کارروائی استعماری
طاقتیں کروا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ
کے ایام میں ۱۹۴۸ء میں استعماری طاقتوں نے خود
مجھ کو اس معاملہ میں آلۂ کار بنانے کی کوشش کی تھی
ان دنوں میں ایک ظرافتی پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس
کا انداز حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا انداز تھا چنانچہ
انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی حکومت کے ذمہ دار نمائندے
مقیم بغداد نے ملاقات کے لئے بلایا اور کچھ چاپلوسی اور
میرے اندازِ نکتہ چینی کی تعریف کرنے کے بعد مجھے بتایا
کہ آپ اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے خلاف
زیادہ سے زیادہ دل آزار طریق پر نکتہ چینی جاری کریں
کیونکہ یہ جماعت دین سے خارج ہے۔ میں نے جواب
میں عرض کیا کہ مجھے اس جماعت اور اس کے عقائد کا
کچھ پتہ نہیں۔ میں ان پر کس طرح نکتہ چینی کر سکتا
ہوں؟ اس نمائندے نے مجھے بعض ایسی کتابیں دیں

جن میں قادیانی عقائد پر بحث کی گئی تھی اور اس
نے مجھے بعض مضامین بھی دیئے تا وہ مجھے مقالات
لکھنے میں فائدہ دیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے مطالعہ
سے مجھے اس جماعت کے بعض عقائد کا علم ہوا لیکن
مَیں نے ان میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جس سے میرے
عقائد کے مطابق انہیں کافر قرار دیا جا سکے۔ اس
استعماری نمائندہ سے چند ملاقاتوں کے بعد میں نے
اس کام کے کرنے سے معذرت پیش کر دی اور کہا
کہ میرے عقیدہ کے مطابق یہ طریق اس وقت اسلامی
فرقوں میں اختلاف و انشقاق بڑھانے والا ہے اس
شخص نے مجھ سے کہا کہ قادیانی تو مسلمان بھی نہیں،
اور ہندوستان کے تمام فرقوں کے علماء انہیں کافر
قرار دے چکے ہیں۔ مَیں نے اس سے کہا کہ ہندوستانی
علماء کے اقوال قرآن مجید کی اس آیت کے مقابلہ
میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس میں اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے: لا تقولوا لمن القی الیکم السلام
لست مومنا۔ کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے
اس کو کافر مت کہو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص
غضبناک ہوگیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی
پروپیگنڈے نے تمہارے دل پر بھی اثر کر دیا ہے اور
تو قادیانی بن گیا ہے اور اسلام سے خارج ہو گیا ہے

اسی لئے تو ان کی طرف سے جواب دے رہا ہے۔
میں نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ جناب یقین جانیں کہ
میں اتنے لمبے عرصہ سے مسلمان کہلانے اور مسلمانوں
میں رہنے کے باوجود یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں
رکھتا کہ میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو کیا قادیانیت
کے متعلق چند کتب کا مطالعہ مجھے قادیانی بنا سکتا ہے؟
میں جن دنوں اس سفارت خانے میں جایا کرتا تھا
مجھے معلوم ہُوا کہ میں اکیلا ہی اس کام کے لئے مقرر
نہیں کیا جا رہا بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس میں شریک
کیا جا رہا ہے پھر مجھے یہ پتہ لگا کہ اس کام کے کرنے
سے صرف میں نے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے
لوگوں نے بھی استعماری آلہ کار بننے سے انکار کر دیا
تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۸ء میں ارضِ
مقدس کا ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد
کر دیا گیا تھا۔ اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی اور میرا
خیال ہے کہ مذکورہ بالا سفارت خانے کا یہ اقدام
درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیمِ
فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے
شائع کئے تھے۔ ایک ٹریکٹ کا عنوان "ھیئۃ الامم
المتحدۃ و قرار تقسیم فلسطین" تھا جس میں

مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا
انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی بندرگاہوں کے یہودیوں
کو سپرد کردینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ دوسرا ٹریکٹ :
"اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا
جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی
ترغیب دی گئی تھی۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان
دنوں ذاتی طور پر علم ہوا تھا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ
جب تک احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں اتفاق
پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب تک وہ
ان ذرائع کو اختیار کرنے کے لئے کوشاں رہیں گے،
جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل
کو ختم کرنے میں مدد مل سکے تب تک استعماری طاقتیں
بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں
کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے
خلاف اس قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے
رہیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکے۔"

(الانباء (بغداد) ۲۴ مورخہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء بحوالہ الفرقان دسمبر ۱۹۵۴ء)

یہ مضمون جہاں بعض دلچسپ رازوں سے پردہ اٹھا رہا ہے وہاں بڑا
عبرت انگیز بھی ہے۔ آخر کب تک سادہ لوح مسلمان عوام اسلام دشمن
طاقتوں کے کذب و افترا کے جال میں پھنستے رہیں گے۔ کب تک غیر مسلم
طاقتیں مسلمان عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلتے ہوئے ان کے درمیان بغض

وعناد اور بے اعتمادی کے بیج بوتی رہیں گی۔ کب تک مسلمان عوام ایک
ہی بل سے بار بار ڈسے جاتے رہیں گے۔ کاش ۱۹۴۸ء میں کی جانے والی
ان استعماری سازشوں کو ۱۹۵۳ء میں یاد رکھا جاتا اور کاش ۱۹۵۳ء کے فسادات
پر منیر انکوائری رپورٹ کے اقتباسات ۱۹۷۴ء کے کام آجاتے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان اور دنیائے اسلام

اب ذرا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی مبینہ "غداری" کی داستان
مسلمان مشاہیر کی زبانی سنیئے۔ بغرض اختصار چند حوالے درج ہیں ملاحظہ
فرمائیے۔ مشہور مصری لیڈر مصطفےٰ مومن نے ایک اخباری بیان میں فرمایا:۔

"چوہدری ظفر اللہ خان اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ
ہیں لیکن تمام دنیائے اسلام میں انہیں ایک قابلِ رشک
پوزیشن حاصل ہے وہ مشرقِ وسطیٰ میں بالعموم اور مصر
اور دیگر عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان
تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اقوامِ متحدہ میں تونس
مراقش، ایران اور مصر کی پرزور حمایت کرکے اسلام
کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے
اکابرین سے بن نہ پڑی۔ جو شخص چودھری صاحب
موصوف کو متہم کرتا اور آپ کی ذات والاصفات کو
ہدفِ ملامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے اسلام
پر حملہ آور ہوتا ہے۔"

(یہ خبر سول، آفاق، نوائے وقت، مغربی پاکستان وغیرہ اخبارات کی

۲۴-۲۵ مئی ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں اے پی پی کے حوالہ سے شائع ہوئی)

(ہفت روزہ رفتار زمانہ - ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

" قاہرہ - ۲۰ جون ۱۹۵۰ء - باشندگان لیبیا کے ایک وفد نے جو تین افراد پر مشتمل تھا، آج مصر میں مقیم پاکستانی سفیر حاجی عبدالستار سیٹھ سے ملاقات کی اور لیبیا کی آزادی کے سلسلہ میں پاکستان کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خان نے جو خدمات سرانجام دی ہیں ان کے لئے پاکستان کا شکریہ ادا کیا - وفد نے کہا پاکستان کے وزیر خارجہ نے نہایت شاندار طریق سے اقوامِ متحدہ میں باشندگانِ لیبیا کے جذبات کی ترجمانی کی - یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج لیبیا آزادی کی منزل کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے - لیبیا پاکستان اور اس کے قابل احترام وزیر خارجہ کی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا - اس سلسلہ میں وہ پاکستان کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔"

یہ خبر ۲۱ جون ۱۹۵۰ء کے اخبارات میں شائع ہوئی۔

(ہفت روزہ رفتارِ زمانہ لاہور ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

"ظفراللہ وہ شخصیت ہے جس نے عرب ممالک کے معاملات کی ترجمانی کرنے میں اپنا انتہائی زور صرف کر دیا - اس کا نام عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آبِ زر سے لکھا جاتا رہے گا - آپ کا ضمیر ایمان

سے بھرپور ہے - آپ کی گفتگو حجت و دلیل کی حامل ہوتی ہے - آپ کے پیشِ نظر تمام انسانیت کی سچی اور بے لوث بھلائی رہتی ہے۔"

(الایام دمشق - ۲۴ فروری ۱۹۵۲ء)

سر ظفراللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گنگ ہو گئیں

لیک سیکس - ۱۰ اکتوبر - رائٹر کا خاص نامہ نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے بیٹھی تھی - کل پاکستانی مندوب سر ظفراللہ خان کی تقریر کے بعد ایک پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے - جب تک امریکہ اپنی روش کا اعلان نہ کر دے دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کے لئے تیار نہیں - امریکن نمائندہ جو اس دوران میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں ہوا، اس وقت یہ بولنے کے لئے آمادہ نہیں جب تک کہ صدر ٹرومین وزیر خارجہ مسٹر جارج مارشل اور خود وفد ایک مشترکہ اور متفقہ حل تلاش کر لیں - کمیٹی میں کل کی بحث میں کمیٹی کے صدر ڈاکٹر ہربرٹ ایوات (آسٹریلیا) نے بہت

پریشانی اور خفت کا اظہار کیا جب بحث مقررہ وقت
سے پہلے ہی آخری دموں پر پہنچ گئی اور امریکن
مندوب اس طرح خاموش بیٹھا رہا گویا کسی نے
زبان سی دی ہو۔ اقوامِ متحدہ کے تمام اجلاس میں
یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔

پاکستانی مندوب نے ایک لفظ میں دوسرے
مندوبین کے وارداتِ قلب کا اظہار کر دیا۔ جب اس
نے اکتا کر یہ مشورہ دیا کہ چونکہ بعض سرکردہ مندوبین
تقریر کرنے سے واضح طور پر "ہچکچا رہے ہیں" اسلئے فلسطین پر
عام بحث فوراً بند کر دی جائے۔ امریکن وفد دو دن
سے اس بحث میں مبتلا ہے کہ اسے کیا طرزِ عمل اختیار
کرنا چاہیئے لیکن ابھی تک وہ کسی فیصلے پر نہیں پہنچ
سکا ہے۔"

(نوائے وقت لاہور۔ ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء صہ ۱)

"فلسطین سے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دھوم مچ گئی

عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خان کو خراجِ تحسین

نیویارک۔ ۱۰؍ اکتوبر۔ مجلس اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں
سر محمد ظفر اللہ خان رئیس الوفد پاکستان نے جو تقریر کی
وہ ہر لحاظ سے افضل و اعلیٰ تھی۔ آپ تقریباً ۱۱۵
منٹ بولتے رہے۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ جب

آپ تقریر ختم کر کے بیٹھے تو ایک عرب ترجمان نے
تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فلسطین پر عربوں کے معاملہ
کے متعلق یہ ایک بہترین تقریر تھی۔ آج تک میں نے
ایسی شاندار تقریر نہیں سُنی۔

سر محمد ظفر اللہ خان نے اپنی تقریر میں زیادہ زور
تقسیم فلسطین کے خلاف دلائل دینے میں صرف کیا۔
جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرّت و ابتہاج سے
عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے۔ تقریر کے خاتمے
پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور
ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی۔"

(نوائے وقت لاہور۔ ۱۲؍ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اگر تو مولانا صاحب نے جماعت احمدیہ پر مفادِ اسلام سے غدّاری کے
سنگین الزامات محض سُنی سنائی باتوں پر یقین کر کے اپنی حد سے بڑھی ہوئی
سادگی کی وجہ سے لگائے تھے تو ہمیں قوی اُمید ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات
پڑھ کر مولانا صاحب کے خیالات کی کسی حد تک اصلاح ہو جائے گی۔ لیکن
اگر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے خاص تصرّف کے سوا
یہ اصلاح ممکن نہیں۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، اسی کی طرف ہم
رجوع کرتے ہیں اور وہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ!

نام کتاب ———— "ربوہ سے تل ابیب تک" پر مختصر تبصرہ
مصنف ———— صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
طبع اوّل ———— جون سنہ ۱۹۷۶ء
تعداد ———— پانچ ہزار
طابع ———— شیخ مبارک محمود پانی پتی
مطبع ———— فائن پریس لاہور

قیمت فی سینکڑہ : ایک سو پچاس روپے

ناشر
مکتبہ الفرقان۔ربوہ